اسلام میں
محبتِ الٰہی کا تصور
الله
رسول
محمد
تالیف
علامہ شیخ حازم نائف ابوغزالہ
ترجمہ
مولانا دلشاد احمد قادری

اسلام میں محبت الٰہی کا تصور

تالیف

علامہ الشیخ حازم نایف ابوغزالہ

(عمان، اردن)

ترجمہ

مولانا دلشاد احمد قادری

انتساب

مَیں اپنی اس حقیر سی کاوش کو

اپنے مرشد طریقت

تاج دار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری

زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

کے نام

منسوب کرتا ہوں

دلشاد احمد قادری

خادم مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف

عرض ناشر

تاج الفحول اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کا ایک ذیلی ادارہ ہے، جو تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کی سرپرستی اور صاحبزادہ گرامی مولانا اسید الحق قادری بدایونی (ولی عہد خانقاہ قادریہ، بدایوں) کی نگرانی اور قیادت میں عزم محکم اور عمل پیہم کے ساتھ تحقیق، تصنیف، ترجمہ اور نشر و اشاعت کے میدان میں سرگرم عمل ہے، اکیڈمی کے زیر اہتمام اب تک عربی، اردو، ہندی، انگلش، گجراتی اور مراٹھی زبانوں میں تقریباً ۷۰ر کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

تاج الفحول اکیڈمی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ہر حلقے اور ہر طبقے کی دلچسپی اور ضرورتوں کے پیش نظر اشاعتی خدمات انجام دی ہیں، خالص علمی اور تحقیقی کتب، ادبی اور شعری نگارشات، عام لوگوں کی تربیت و اصلاح کے لیے آسان زبان میں رسائل، اکابر بدایوں کی سیرت وسوانح، باطل افکار و نظریات کے رد و ابطال اور مسلک حق کے اثبات میں قدیم و جدید رسائل اور غیر مسلم برادران وطن کے لیے اسلام کے تعارف پر مشتمل سلجھا ہوا دعوتی اور تبلیغی لٹریچر غرض کہ اکیڈمی ان تمام میدانوں میں بیک وقت تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی خدمات انجام دے رہی ہے۔

ابتدا ہی سے تاج الفحول اکیڈمی کے منصوبے میں یہ بات بھی شامل تھی کہ خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف اور خانوادۂ قادریہ سے وابستہ علما و مشائخ کے علاوہ دیگر علمائے اہل سنت بالخصوص عالم عرب کے علما، صوفیہ اور مشائخ کی تصانیف کو بھی اردو زبان میں ترجمہ کر کے شایع کیا جائے، زیر نظر کتاب کا ترجمہ اور اشاعت اسی منصوبے کی تکمیل کی طرف پہلا اور مضبوط قدم ہے۔

رب قدیر و مقتدر سے دعا ہے کہ اکیڈمی کی خدمات قبول فرمائے، ہمیں زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانیاں پیدا فرمائے۔

محمد عبدالقیوم قادری
جنرل سیکریٹری تاج الفحول اکیڈمی
خادم خانقاہ قادریہ بدایوں

فہرست مشمولات

عنوان	صفحہ

☆☆☆

ابتدائیہ

عالم ربانی، عارف باللہ شیخ طریقت حضرت شیخ حازم نایف ابوغزالہ مدظلہ العالی کی کتاب ''المحبة الالٰهية في الاسلام'' کا اردو ترجمہ ''اسلام میں محبت الٰہی کا تصور'' اہل ذوق کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے تاج الفحول اکیڈمی فخر ومسرت محسوس کررہی ہے۔

مصنف کتاب حضرت شیخ حازم ابوغزالہ نسباً حسینی ہیں۔ مذہب فقہی کے اعتبار سے امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، عقیدے میں اشعری نسبت کے حامل ہیں، مشرباً قادری وشاذلی ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں آپ کی ولادت ہوئی، دمشق میں تحصیل علم کی، تعلیم کے کچھ مراحل مصر میں بھی طے کیے، عارف باللہ شیخ محمد ہاشمی تلمسانی سے خصوصی استفادہ کیا۔ معروف صوفی، عارف اور شیخ طریقت حضرت شیخ عبدالقادر عیسیٰ الحلبی (مصنف حقائق عن التصوف) سے تصوف وسلوک کی تعلیم حاصل کی، انہیں کے دست حق پرست پر طریقہ قادریہ شاذلیہ میں بیعت کی اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

اردن [Jordan] کے دارالحکومت عمان میں 'دارالقرآن' کے نام سے مسجد قائم کی، وہیں آپ کی خانقاہ بھی ہے، جہاں سے تبلیغ وارشاد اور تزکیہ وتصفیہ کا سلسلہ جاری ہے۔ مجالس ذکر وفکر کا انعقاد، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، مریدین وسالکین کی روحانی واخلاقی تربیت آپ کے مشاغل ہیں، صائم النہار قائم اللیل ہیں، اردن کے علاوہ عراق، نائجیریا، اور جنوبی افریقہ میں آپ کے بے شمار تلامذہ، مریدین ومتوسلین اور محبین ومعتقدین موجود ہیں، ان کی تعلیم وتربیت کے لیے آپ ان ممالک کا دورہ بھی فرماتے ہیں۔ تصوف، علم کلام وعقائد، فقہ، تجوید اور تفسیر وغیرہ میں آپ کی ۴۰ر سے زیادہ تصانیف ہیں۔

ایک مرتبہ راقم الحروف کو بھی 'دارالقرآن' عمان میں آپ کی مجلس ذکر میں شرکت وحاضری کا موقع نصیب ہوا ہے، اس مبارک مجلس میں جو روحانی کیف وسرور حاصل ہوا اس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں ہے۔

میرے شیخ اور والد محترم حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ سے شیخ حازم کے نہایت

گہرے روابط محبت والفت ہیں، دونوں بزرگوں کے درمیان قدر شناسی ، لحاظ و پاس اور ادب واحترام کے جو مناظر دیکھنے میں آتے ہیں ان کو دیکھ کر فارسی کا فقرہ ''ولی را ولی می شناسد'' یاد آجاتا ہے۔

شیخ ابوغزالہ کی شخصیت اہل بدایوں کے لیے محتاج تعارف نہیں ہے ،اکتوبر ۱۹۹۸ء میں خانقاہ قادریہ کے زیر اہتمام بدایوں میں حضرت تاج الفحول کا عرس صد سالہ عالمی پیمانے پر منعقد کیا گیا تھا،اس میں دیگر عرب علما و مشائخ کے علاوہ شیخ حازم ابوغزالہ اپنے شاگرد اور خلیفہ حضرت شیخ ابوصالح آندی کے ساتھ تشریف لائے تھے۔رات کی کانفرنس میں آپ نے تزکیہ نفس پر بے حد پُر مغز اور جامع خطاب فرمایا تھا،اس کے علاوہ جامع مسجد شمسی بدایوں میں خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ کی امامت فرمائی تھی۔

زیر نظر کتاب ' المحبة الالهية فی الاسلام ' آپ کی ایک شاہکار تصنیف ہے،آپ نے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل الفاظ تحریر فرما کر یہ کتاب حضرت شیخ مدظلہ کی خدمت میں پیش کی تھی:

هدية من خادم الطريقة القادرية في الاردن الى سيدى الشيخ عبدالحميد محمد سالم خادم الطريقة القادرية في الهند افقر العبيد الى الله حازم ابو غزالة ۱۱؍رجب ۱۴۱۹ھ

کتاب اپنے مواد اور اسلوب نگارش دونوں کے اعتبار سے موضوع کا حق ادا کر رہی ہے، مجھے اس کتاب کے جس پہلو نے سب سے زیادہ متأثر کیا وہ اس کے مصنف کا عارفانہ اور داعیانہ اسلوب ہے،جس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ مصنف کتاب صرف 'صاحب قال' ہی نہیں بلکہ 'صاحب حال' بھی ہے اور اس کے سینے میں محبت الٰہی کا ایک دریا موج زن ہے۔

چند برس پہلے جب مَیں نے کتاب کا مطالعہ کیا تھا، اُسی وقت یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اِس کتاب کا اردو ترجمہ ہونا چاہیے،مَیں خود ہی اس کا ترجمہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر بعض دوسری علمی اور تصنیفی مصروفیات کے باعث اس ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔مَیں نے اپنی اس خواہش کا اظہار عزیزی مولانا دلشاد احمد قادری (مدرس مدرسہ قادریہ بدایوں) سے کیا، انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کی اور بڑی محنت ،مہارت اور خوش اسلوبی کے ساتھ کتاب کا ترجمہ مکمل کیا، جواب

آپ کے پیش نظر ہے۔

کتاب پر سنہ تالیف اور سنہ طباعت اول درج نہیں ہے، دوسری مرتبہ یہ کتاب دارالامام النووی عمان سے ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء میں شایع ہوئی ہے، کتاب کی یہی اشاعت دوم مترجم کے پیش نظر تھی۔

آج کا انسان دنیاداری، خواہشات نفسانی اور مادہ پرستی میں ایسا گرفتار ہو گیا ہے کہ اس نے اپنی محبت کا قبلہ اپنے محبوب حقیقی سے پھیر کر دنیا اور اہل دنیا کی طرف درست کر لیا ہے، ایسے حالات میں ضروری ہے کہ ایک بار پھر اس کے تاریک سینے میں اس کے محبوب حقیقی کی شمع محبت فروزاں کرنے کی کوششیں کی جائیں، ''بھٹکے ہوئے آہو'' کو ''سوئے حرم'' لے چلنے کی ذمہ داری ماضی میں بھی خانقاہوں نے بہ حسن وخوبی انجام دی ہے اور آج بھی یہ کام خانقاہوں کے ذریعے احسن طریقے سے انجام پا سکتا ہے، بہ شرطے کہ ارباب خانقاہ اپنی اس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے خود کو اس عظیم اور اہم منصب کے لیے تیار کریں۔

بفضلہٖ تعالیٰ خدام خانقاہ قادریہ کو اپنی اس ذمہ داری کا احساس ہے، جس کے نتیجے میں خانقاہ قادریہ تحریر وتقریر، درس وتدریس اور نشر واشاعت کے اپنے مختلف وسائل کے ساتھ اس میدان میں سرگرم عمل ہے، زیر نظر کتاب کا ترجمہ اور اشاعت خانقاہ قادریہ بدایوں کی جانب سے کی جانے والی انہیں مخلصانہ کوششوں کا ایک حصہ ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب عوام وخواص دونوں کے لیے مفید ثابت ہوگی، اس کے ذریعے سے دلوں میں محبت حقیقی کے چراغ روشن ہوں گے، اگر سینے میں ایک مرتبہ عشق کی چنگاری بھڑک اٹھے تو اس کو شعلہ جوالہ بنتے دیر نہیں لگتی۔

۲۳ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ
۱۳/ اگست ۲۰۱۲ء

اسید الحق قادری
خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں

محبت کی تعریف

محبت اس مبارک وشریف حالت کا نام ہے جس کی شہادت خود خالق کائنات نے دی اور اس بات سے آگاہ فرمایا کہ وہ اپنے بندے سے محبت فرماتا ہے، لہٰذا رب بے نیاز کا ایک وصف اپنے بندے سے محبت کرنا بھی ہے اور بندے میں بھی یہ صفت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ اپنے رب سے محبت کرے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ محبت 'ارادت' کو کہتے ہیں، خدا اپنے بندے سے محبت کرتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے بندے پر مخصوص انعام واکرام فرمانے کا ارادہ کیا ہے، جیسا کہ اللہ کی رحمت سے مراد انعام کا ارادہ فرمانا ہے، لیکن رحمت ارادے کی بہ نسبت خاص ہے اور محبت رحمت سے زیادہ خاص ہے (اس لیے کہ مطلق ارادہ عام ہے جو انعام واکرام اور ثواب و عقاب سب کو شامل ہے اور رحمت ارادے کی طرف نظر کرتے ہوئے خاص ہے، کیوں کہ رحمت صرف انعام واکرام کے ارادے کو کہتے ہیں، پھر محبت رحمت سے زیادہ خاص ہے کیوں کہ محبت کو ایک مخصوص انعام کے ارادے سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔

چنانچہ اللہ کا یہ ارادہ کرنا کہ بندے کو وہ اجر وثواب اور انعام عطا فرمائے گا تو اس ارادے کو رحمت سے موسوم کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ کرنا کہ وہ بندے پر قرب اور بلند و بالا احوال کے ذریعے مخصوص انعام فرمائے تو اس ارادے کو محبت سے تعبیر کیا جائے گا۔ 'ارادہ' باری تعالیٰ کی ایک صفت ہے لیکن اس صفت کے متعلقات کے اختلاف کے سبب اس کے نام مختلف ہو جاتے ہیں، جب اس صفت کا تعلق عقوبت سے ہوتا ہے تو اس کا نام غضب رکھا جاتا ہے اور جب اس صفت کا تعلق عام نعمتوں سے ہوتا ہے تو اسے رحمت کے نام سے جانا جاتا ہے اور جب اس صفت کا تعلق مخصوص انعام سے ہوتا ہے تو اس کا نام محبت رکھا جاتا ہے۔

محبت کا لغوی مفہوم:

لغت میں لفظ ''حُب'' چاہت کی صفائی اور نکھار کا نام ہے، اس لیے کہ اہل عرب دانتوں کی صفائی اور اس کی تر و تازگی کو حبب الأسنان کہتے ہیں۔ (ہانڈی، دیگچی وغیرہ میں) انتہائی جوش و ابال کے وقت پانی کے اوپر جو چیز آ جاتی ہے اسے حباب کہتے ہیں۔ اس معنی کی بنا پر محبت دل کے اس جوش اور بے قراری کو کہیں گے جو پیاس اور محبوب سے لقا کے وقت ہیجان کی کیفیت سے لاحق ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حب حباب الماء سے مشتق ہے اور حباب الماء پانی کے بڑے حصے کو کہا جاتا ہے۔ حب کو حباب الماء سے مشتق ماننے کا سبب یہ ہے کہ محبت دل سے تعلق رکھنے والی تمام اہم اشیا میں سب سے عظیم و ارفع چیز ہے۔ حُب کے تعلق سے ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حُب لزوم و ثبات سے مشتق ہے، جب اونٹ زمین سے اس طرح چمٹ جائے کہ وہ کھڑا نہ ہو تو اس حالت کو ''احَبَّ الْبَعِيْرُ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، حُب کو لزوم و ثبات سے مشتق ماننے کی صورت میں مُحب اس کو کہیں گے جس کے دل سے محبوب کا ذکر جدا نہ ہو، وہ ہمیشہ محبوب کی یاد میں تڑپتا رہے۔ ایک دیگر قول کے مطابق حُبّ، حَبّ سے بنا ہے اور حَب حبۃ کی جمع ہے اور حبۃ القلب اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے دل کا قوام ہو، اس معنی کی بنا پر اس کیفیت کا نام حُب اس کے محل کے نام پر رکھا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حَب ان چار لکڑیوں کو کہتے ہیں جن پر گھڑا رکھا جاتا ہے اس معنیٰ کی رُو سے محبت کا نام حُبّ اس لیے رکھا گیا ہے کہ محبّ محبوب کی جانب سے ہر عزت و ذلت برداشت کرتا ہے، جس طرح وہ چار لکڑیاں اس گھڑے کا وزن برداشت کرتی ہیں۔ حُب کے تعلق سے ایک قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حُبّ حِبّ سے مشتق ہے اور حِبّ اس گھڑے کو کہتے ہیں جس میں پانی بھرا ہوا ہو اور وہ گھڑا اپنے اندر بھری ہوئی چیز کے علاوہ غیر کی گنجائش نہ رکھتا ہو، ٹھیک اسی طرح محبّ کا دل جب محبت سے پُر ہو جاتا ہے تو اس دل میں محبوب کے سوا کسی کے لیے گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

حُبّ بغض کی ضد و نقیض ہے جب اُحِبّہٗ (مَیں فلاں سے محبت کرتا ہوں) جملہ بولا جاتا ہے تو محبت کرنے والے کو ''محبّ'' اور جس سے محبت کی جائے اسے ''محبوب'' کہتے ہیں۔ حُبّ کو اگر حا کے کسرے کے ساتھ حِبّ پڑھا جائے تو اس کا استعمال حبیب اور محبوب دونوں معنی میں ہوا

ہے۔سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حِبُ رسول اللہ ﷺ پکارا جاتا ہے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب۔لفظ حبیب کبھی مُحب کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ ابن الاعرابی نے کہا:

انا حَبِیْبُکُمْ اَیْ مُحِبُّکم (میں تم سے محبت کرنے والا ہوں)

اور یہ شعر پڑھا:

رُبَّ حَبِیْبٍ نَاصِحٍ غَیْرُ مَحْبُوْبٍ

اَیْ رُبّ مُحِبٍّ

ترجمہ: بہت سے ناصح حبیب محبوب نہیں ہوتے

یعنی بہت سے محبت کرنے والے

فرانحوی کہتے ہیں کہ حبیب کبھی ''رفیق'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔حُبِّبَ اِلَیْـہِ الْاَمْر اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ کوئی شخص کسی امر کو عزیز ومحبوب رکھے۔وَھُـمْ یَتَـحَـابُّوْن َکے معنی ہیں کہ وہ باہم محبت کرتے ہیں۔

محبت کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں ''حُب'' باہم دیگر محبت،لطف ومہربانی،ایثاروقربانی نیز ایمان وعمل کو کہا جاتا ہے۔

محبت کے درجات:

شیخ ابن قیم الجوزیہ نے اپنی کتاب ''**الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی**'' میں محبت کے درجات بیان کیے ہیں،جو درج ذیل ہیں:

(۱)**التعبد** :- **تعبد** اس محبت کو کہا جاتا ہے جو محبوب کے واسطے عاجزی وانکساری اور تابعداری کے ساتھ ہو،جب کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہے اور اس کا تابعدار وفرماں بردار ہوجاتا ہے تو اس کا دل اپنے محبوب کا خادم وغلام ہوجاتا ہے۔'' **تعبد** '' محبت کے درجات ومراتب میں سب سے آخری مرتبہ ہے اور اسے **تتیم** بھی کہا جاتا ہے۔اس لیے کہ یہ محبت کا سب سے اول مرتبہ وعلاقہ ہے محبّ اور محبوب کے تعلق کو ''علاقہ'' کہتے ہیں۔

(۲)**الصبابه** :- محبت کا دوسرا مرتبہ صبابہ ہے۔محبوب کی جانب دل کے مائل ہونے کی وجہ

سے محبت کا نام صبابہ رکھا گیا۔شاعر کہتا ہے:

یشکی المحبون الصبابة لیتنی　　　تحملت ما یلقون من بینهم وحدی

ترجمہ: سوزش عشق کا گرفتار دیوانہ شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے کاش مَیں ان (مصائب وآلام) کوتنہا برداشت کرتا جو عاشقوں نے اُٹھائے ہیں۔

فکانت لقلبی لذة الحب کلها　　　فلم یلقها قبلی محب ولا بعدی

ترجمہ: تو محبت کی تمام لذتیں صرف میرے ہی دل کے واسطے ہوتیں، پس لذتوں کو نہ مجھ سے پہلے کوئی محبّ پاتا اور نہ میرے بعد۔

(۳)**الغرام** :- غرام اس فریفتگی وعشق کو کہتے ہیں جو محبّ کے دل میں اس طرح جاگزیں ہو جائے کہ وہ پھر اس سے جدا نہ ہو۔غرام سے غریم (قرض خواہ) بنا ہے، اس لیے کہ غریم اپنے قرضدار سے چمٹ جاتا ہے یعنی مسلسل قرض کی ادائیگی کے لیے تقاضے کرتا ہے۔

(۴)**العشق** :- محبت ووارفتگی کی حددرجہ افراط وزیادتی کو عشق کہا جاتا ہے، لہٰذا اللہ اس صفت کے ساتھ متصف نہیں ہے اور نہ ہی باری تعالیٰ کے حق میں اس لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(۵)**الشوق** :- محبوب کی جانب قلب کے میلان اور جھکاؤ کو شوق سے موسوم کرتے ہیں۔ شوق محبت والفت سے پیدا ہوتا ہے۔اس لفظ کا اطلاق اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق میں بھی وارد ہوا ہے، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اپنی نماز میں اسی طرح دعا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور حضور علیہ السلام درج ذیل کلمات دعا میں پڑھتے:

اے اللہ! مَیں تیرے فضل وکرم والے وجہ کریم کی جانب دیکھنے کی لذت کا سوال کرتا ہوں اور مَیں تجھ سے تیری ملاقات کے شوق کو مانگتا ہوں اور تیری لقا ایسی حالت میں ہو جس میں کسی ضرر رساں کے ضرر اور کسی گمراہ کن فتنے کا خوف نہ ہو۔

حدیث میں ہے:

میری ملاقات کے لیے صالحین کا شوق دراز ہو گیا اور مَیں بھی ان سے ملاقات کا

بے حد شوق رکھتا ہوں۔

(۶) **التتیُّم** :- یہ محبت کے مراتب میں سب سے آخری مرتبہ ہے جب محبّ محبوب کا غلام وخادم ہو جائے تو اس حالت کو ''تتیم'' کہتے ہیں۔ جب کوئی کسی کا غلام بن جائے تو تیمه الحب (محبت نے اسے غلام بنا دیا) جملہ بولا جاتا ہے۔ تتیم سے ''تیم اللہ'' (اللہ کا بندہ وخادم) مشتق ہے۔ تتیم کی حقیقت محبوب کے لیے عاجزی وانکساری اور تابعداری ہے۔ اس سے اہل عرب ''طریق معبد'' کہتے ہیں یعنی وہ راستہ جسے قدموں نے پامال کر دیا ہو، چنانچہ بندہ وہ ہے جسے محبوب کی محبت نے اپنا تابعدار اور فرماں بردار بنالیا ہو۔ یہی سبب ہے کہ بندے کے تمام احوال ومقامات میں سب سے اشرف وافضل مقامِ عبودیت ہے، اس سے اشرف کوئی منزل نہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنے سب سے محبوب ومکرم رسول کو ان کے سب سے اعلیٰ مقام یعنی معراج کے ذکر میں ''صفت عبودیت'' کے ساتھ ذکر فرمایا ہے آپ کے اس مقام کا ذکر سورۂ اسرا میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی. (الاسراء:۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے کچھ حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔

اور اللہ نے اس صفت کو دعوت الی اللہ اور تحدی بالنبوۃ کے مقام میں ذکر فرمایا ہے۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ يَدْعُوهُ كَادُوْا يَكُونُوْنَ عَلَيْهِ لِبَداً. (الجن:۱۹)

ترجمہ: اور جب اللہ کے بندے (محمد مصطفیٰ ﷺ) اللہ کی عبادت کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ (یعنی جن) ان پر ہجوم در ہجوم جمع ہو گئے۔

نیز پروردگار عالم نے فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ. (البقرۃ:۲۳)

ترجمہ: اگر تم اس چیز میں شک کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے (یعنی قرآن) تو تم ایک سورت ہی اس کی جیسی لے آؤ۔

مقام عبدیت محبت کے مقامات میں سب سے مکمل اور ایمان کے حقائق میں سب سے برتر ہے۔

(۷) **الخُلۃ**:- خُلت محبت کے کمال وانتہا کا وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر محبّ کے دل میں محبوب کے سوا کسی کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ خُلت ایسا منصب ہے جو کسی بھی اعتبار سے شرکت کو قبول نہیں کرتا ہے۔ یہ منصب اللہ کے دو خلیل حضرت ابراہیم اور حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے مخصوص ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام کا اظہار فرمایا:

اللہ نے مجھے اپنا خلیل بنایا جس طرح ابراہیم کو خلیل بنایا۔ (ابن ماجہ)

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اگر مَیں اہل زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن تمہارے صاحب (حضور پُرنور علیہ التحیۃ والتسلیم) اللہ کے خلیل ہیں۔ (بخاری، مسلم)

محبت الٰہی کے موضوع پر آسمانی شریعتوں کے مابین موازنہ

اسلام میں محبت الٰہی:

اسلام میں محبت الٰہی رب اور بندے کے اس تعلق کا نام ہے جو دل کی بصیرت اور روح کے اتصال کے ساتھ ہو نہ کہ محض عقلی موشگافیوں اور کلامی مباحث کی بنیاد پر، کیوں کہ علم کلام کی یہ عقلی بحثیں خشک و دقیق اسباق کے ارد گرد گھومتی رہتی ہیں جن سے نہ تو محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے اور نہ اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، یہ عقلی بحثیں نہ شوق کے جذبے کو ابھارتی ہیں اور نہ اخلاق کو سنوارتی ہیں۔

شیخ سیدی محی الدین ابن عربی ''ترجمان الاشواق'' میں فرماتے ہیں:

یہاں اس دین سے زیادہ مکمل کوئی دین نہیں جس کی بنیاد ہی ہر اس شخص کے لیے محبت اور شوق پر قائم ہے جو اس دین پر عمل پیرا ہو، یہ وصف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ کو مقام محبت جملہ انبیا کی بہ نسبت بدرجۂ اتم حاصل ہے، اس کے علاوہ آپ کو دیگر انبیا کے مقامات بھی حاصل ہیں مثلاً آپ صفی، نجی، خلیل وغیرہ بھی ہیں، اللہ نے حضور کو اپنا محبّ و محبوب بنا کر تمام انبیا پر فوقیت عطا کی ہے نیز حضور کے وارثین بھی آپ کے طریقے پر گامزن ہیں۔

امام المحبین سیدی ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وعن مذهبي في الحب مالي مذهب　　　وان ملت عنه يوما فارقت ملتي

ترجمہ: محبت کے سلسلے میں میرا مذہب دریافت کیا جاتا ہے، محبت میں میرا مذہب وہ ہے کہ جس سے ایک دن بھی اگر مَیں ملول اور رنجیدہ ہو جاؤں تو مَیں اپنی ملت سے جدا ہو جاؤں گا۔

ولو خطرت لي في سواک ارادة　　　علی خاطري سهوا قضيت بردتي

ترجمہ: اگر میرے دل میں بھولے سے بھی تیرے سوا کسی کا خیال آجائے تو مَیں مرتد ہو جاؤں گا۔

ڈاکٹر مصطفیٰ حلمی ابن الفارض کے کلام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب ہم ابن الفارض اور ابن عربی علیہما الرحمہ کے محبت کو دین بنانے کے متعلق غور وفکر کرتے ہیں کہ انہوں نے دین محبت کو دین اسلام کا مترادف مانا ہے یا اسلام سے ایسا دین اخذ کیا ہے جس کے ستون محبت اور وہ معانی ہیں جن پر محبت مشتمل ہے یعنی اذعان اور تابعداری، محبوب سے ارادت وعقیدت رکھنا، تو معلوم ہوا کہ یہ تمام وہ معانی ہیں جس میں محبت اور اسلام یکساں طور پر مشترک ہیں۔ (کتاب ابن الفارض والحب الالٰھی از ڈاکٹر مصطفیٰ حلمی)

شیخ محی الدین ابن عربی کے کلام میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ مقام محبت صرف مسلمانوں کی خصوصیت ہے اور اس خصوصیت کا مرجع مقام نبی ﷺ ہے، اس لیے کہ حضور علیہ السلام کو تمام انبیا پر جو ممتاز مقام حاصل ہے وہ مقام محبت ہے، لہٰذا حضور علیہ السلام صفی، نجی، خلیل جملہ اوصاف کے ساتھ متصف ہیں۔

عیسائیت اور یہودیت میں محبت الٰہی کا تصور:

مذہب مسیحیت اکثر محبت کے سلسلے میں گفتگو کرتا ہے، مگر وہ اسلامی محبت الٰہی سے نا آشنا ہے، کبھی اس نے اس محبت کا ذائقہ بھی نہیں چکھا بلکہ وہ اُس محبت سلبیہ کو جانتا ہے جو گوشہ نشینی اور علیحدگی کی تعلیم دیتی ہے، محبت سلبیہ کا نہ تو زندگی سے کوئی تعلق ہے اور نہ کائنات سے، اور نہ کوئی ایسا واسطہ ہے جو اس محبت کو معارف دینیہ سے ہم آشنا کر دے، یہ محبت تو سراسر گوشہ نشینی اور رہبانیت ہے۔

امیل الودفیج کہتے ہیں کہ:

حضرت مسیح اللہ اور مذہب مسیحیت کے ماننے والے کے درمیان حائل رہتے ہیں بلکہ حضرت مسیح اللہ کو اہل مسیحیت سے روکے رکھتے ہیں، مَیں حضرت مسیح کی اس شخصیت سے واقف ہو چکا ہوں جو اللہ اور مسیحیوں کے مابین ہے (یعنی اہل مسیحیت حضرت مسیح کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں)

لہٰذا ان کے خیال میں دو شخصیتوں کا امتزاج ہے، اس امتزاج نے جذبات

کو تقسیم کر کے مضطرب کر دیا (لقائے الٰہی) کے شوق کو پارا پارا کر دیا۔

مذہب یہودیت بھی ظاہراً توحید و وحدانیت پر زور دیتا ہے، لیکن وہ بھی محبت الٰہی کی اس چاشنی و رنگینی سے نابلد ہے جو رب اور بندے کے پاکیزہ تعلق اور لقائے پروردگار پر قائم ہے جیسا کہ لودفیج نے ثابت کیا ہے کہ یہودیوں کے نزدیک اللہ جبار اور منتقم ہے۔ وہ اپنے بندے پر آسمان سے بجلیاں گراتا ہے، پاکیزہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیتا ہے اور انہیں آفات اور عذابوں کے ذریعے نیست و نابود کر دیتا ہے، لہٰذا یہودی اللہ کے متعلق تشدد پسندانہ فکر رکھتے ہیں اور اس تشدد پسندانہ فکر نے یہودیوں کو انسیت، محبت والفت، قرب الی اللہ جیسے عظیم معانی کی جانب سوچنے اور متوجہ ہونے کا موقع ہی نہیں دیا، اس تشدد پسندانہ فکر کے باعث وہ بھول گئے کہ درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے، وہ مومن بندوں سے محبت فرماتا ہے اور مومن بندے بھی اس سے محبت کرتے ہیں، اللہ ایمان والوں سے راضی ہوتا ہے اور بندے بھی اس سے راضی رہتے ہیں۔ رب اور مومن بندے ان صفات کریمہ اور اوصاف جمیلہ سے متصف ہیں جو محبت اور شوق پر مشتمل ہیں اور دین محمدی سے محبت کرنے والے کی نظر میں انس اور رضا محبت اور شوق کے تابع ہیں۔

یوروپی فلسفے میں محبت الٰہی کا تصور:

یوروپی فلسفہ بندہ وآقا کے درمیان قلبی وروحانی تعلق قائم کرنے سے قاصر وعاجز رہا۔ فلسفۂ یوروپ عقل پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے اور اسی پر یقین رکھتا ہے، جس طرح اس نے عقل وفہم کے ذریعے کیمیاوی مواد اور عناصر طبیعیہ حاصل کیے ہیں ٹھیک اسی نہج پر وہ عقل کے ذریعے معرفت خداوندی کے وسائل دریافت کرنا چاہتا ہے، یہ فلسفہ محبت الٰہیہ کے موضوع پر ایسی بحث کرتا ہے جو روح اور دل سے انتہائی دور ہے، اس فلسفے کی اپنے ابتدائے عہد سے ہیگل اور اس سے اسپینوزا (spinoza) تک پہنچنے میں یہی تاریخ رہی ہے۔ بغیر کسی اختلاف کے یوروپی فلسفہ محبت الٰہی میں سپینوزا اہل یوروپ کا نمونۂ کامل اور امام فائق ہے۔

محبت الٰہی اسپینوزا کی نظر میں:

اسپینوزا (spinoza) سمجھتے ہیں کہ محبت معرفت حسیہ سے پیدا ہوتی ہے اور محبت کا ثمرہ لذت عقلیہ ہے، اس لیے کہ لذتوں میں سب سے عظیم و برتر لذت جو ہم محسوس کرتے ہیں وہ

لذت عقلی ہے جو محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ نیز اسپنوزا (spinoza) کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی محبت، محبت عقلی ہے جس کی نشو ونما اور معرفت، معرفت استدلالی کے طریق سے حاصل ہوتی ہے۔ یوروپی فلکر کی اس قسم کا نام محبت عقلی رکھا جاتا ہے آخر کار یہ فلسفہ کوئی بلند روحانی نتائج نہیں دیتا، اس لیے کہ محبت عقلی جس کی طبیعت خشک ہے اور عقل محبت کے سلسلے میں کوئی حکم نہیں رکھتی اور عقل نہ محبت کا عنوان ہے اور نہ اس کا قاصد ہے، جیسا کہ فرید عطار فرماتے ہیں:

یہ عقل خود شراب کے ایک گھونٹ میں گم ہو جاتی ہے تو کس طرح یہ از خود معرفت الٰہیہ پر قادر ہو سکتی ہے۔

اللہ جل شانہ کی معرفت قیاس کے ذریعے ناممکن ہے، اس لیے کہ باری تعالیٰ کی ذات بے مثال ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا جس نے صفات الٰہیہ اور محبت ربانیہ کے سلسلے میں عقل کو حَکم بنایا وہ خطائے فاحش کا مرتکب ہوا کیوں کہ عقل جب باری تعالیٰ کی ذات وصفات کا تصور کرے گی تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نفس کا تصور کرے گی اور اس کی صورتوں اور خیال کو چاہے گی (حالانکہ ذات پروردگار ہر طرح کی شکل و شباہت سے منزہ ہے)۔ صرف محبت ہی معرفت یقینیہ کے حصول کا طریقہ ہے اور وہ جمال، کمال، شوق، الہام اور ان فیوضات کے عالموں میں داخل ہونے کی جادوئی چابی ہے جو قلبی اور روحی معانی سے مترشح ہوتے ہیں۔

مشہور شاعر اور صوفی شیخ جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

عقل اکثر باریک دقیق اشیا سے بحث کرتی ہے وہ نظامِ عالم کا ادراک کرتی ہے اچھائی کی جانب رہنمائی کرتی ہے لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ انسان اس عقل کے درجے پر ہی رک جائے۔

حضرات صوفیہ کرام کے نزدیک محبت الٰہی

محبت کے تعلق سے حضرات صوفیہ کرام کے مختلف اقوال منقول ہیں۔

ا۔ بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ دل کی اتھاہ گہرائی سے کسی کی جانب دائمی میلان کا نام محبت ہے۔

۲۔ محبوب کو تمام ہم نشینوں پر فوقیت وترجیح دینے کا نام محبت ہے۔

۳۔ موجودگی اور عدم موجودگی دونوں صورتوں میں محبوب کی موافقت کرنا محبت ہے۔

۴۔ محبت کرنے والا جب اپنی صفات کو مٹا کر محبوب کی ذات میں فنا ہو جائے تو یہ محبت ہے۔

۵۔ دل کو رب کائنات کی منشاو مراد کا تابعدار و فرمانبردار بنانا محبت ہے۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اطاعت وفرمانبرداری سے قرب اور مخالفت ونافرمانی سے دوری کا نام محبت ہے''۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں ''محبوب کی صفات محبّ کی صفات میں بدلیت کے طور پر داخل ہو جائیں'' (یعنی محبّ اپنی صفات ترک کر کے محبوب کی صفات کا حامل بن جائے اسی کا نام محبت ہے) حضرت جنید بغدادی نے اس تعریف سے محبّ کے محبوب کے ذکر میں اس حد تک مستغرق ہونے کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ محبّ کے دل پر محبوب کے صفات اس طرح غالب وقابض ہو جائیں کہ وہ اپنی ذات اور اس کے احساس سے کلیۃً غافل ہو جائے۔ حضرت ابوعبید قرشی فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ تو اپنی ہر چیز اپنے محبوب کو ہبہ کر دے اور کوئی چیز تیری ملکیت میں باقی نہ رہے۔

شیخ حارث محاسبی فرماتے ہیں کہ تیرا پوری طرح کسی شے کی طرف مائل ہونا پھر اس کو اپنے نفس، روح، مال پر ترجیح دینا پھر اس کی ہر اس چیز میں ظاہراً و باطناً موافقت کرنا جس کا اس نے حکم دیا ہو، اس کے باوجود اپنی محبت میں کوتاہی وکمی جاننا اسی کا نام محبت ہے۔ (کسی کی موافقت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کا وہ حکم دے اس پر عمل پیرا ہونا اور جس سے وہ روکے اسی سے رک جانا)

حضرت شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں محبت کرنے والا اگر خاموش رہے تو ہلاک ہو جائے گا اور عارف باللہ اگر خاموشی اختیار نہ کرے تو ہلاک وبرباد ہو جائے گا۔

بعض حضرات کے نزدیک خدمت وتابعداری کرنے کے ساتھ عزت وتعظیم کے ترک کا خوف محبت ہے۔

یحییٰ بن معاذ نے ابویزید کی جانب ایک خط میں لکھا کہ ''مَیں محبت کے کثیر جام پینے کے سبب مدہوش ہو گیا ہوں'' تو ابو یزید نے یحییٰ بن معاذ کو جواب میں لکھا کہ '' آپ کے غیر نے (یعنی ابویزید نے) زمین وآسمان کے سمندروں کو پی لیا پھر بھی وہ سیراب نہیں ہوا بلکہ اس کی زبان باہر نکل کر ھل من مزید کی صدائیں بلند کر رہی ہے''۔

ابوبکر الکتانی فرماتے ہیں کہ مکہ میں حج کے دنوں میں محبت کا مسئلہ زیر غور تھا اور مشائخ کرام اس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے، حضرت جنید ان حضرات میں سب سے کم عمر تھے، مشائخ نے آپ سے کہا اے عراقی! محبت کے متعلق جو جانتے ہو اسے پیش کرو۔ حضرت جنید بغدادی نے اپنے سر کو جھکایا اور رونے لگے پھر آپ نے فرمایا:

> محبت درحقیقت اس بندے کی ہے جو اپنے نفس کو بھول کر اپنے رب کے ذکر سے مل جائے، پروردگار عالم کے حقوق کی ادائیگی میں لگا رہے، دل سے معبود حقیقی کی جانب متوجہ رہے، اللہ کی ہیبت کی تجلیوں نے اس کے قلب کی آلودگی کو جلا دیا ہو، اس نے خدا کی محبت کے جام سے شراب معرفت نوش کی ہو، اور جبار نے اس کے لیے اپنے غیب کے پردے اٹھا دیے ہوں، ایسا بندہ جب کلام کرتا ہے تو وہ اللہ کے بارے میں کلام ہوتا ہے، جب وہ بولتا ہے تو وہ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اور جب وہ کوئی حرکت کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے ہوتی ہے اور جب وہ خاموش ہوتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے، ایسا بندہ باللہ واللہ ومع اللہ کا مصداق ہے۔ (حضرت جنید بغدادی کی یہ تفسیر سن کر) تمام مشائخ کرام رونے لگے، پھر انہوں نے کہا اے تاج العارفین (اللہ آپ کی حفاظت فرمائے) محبت کے سلسلے میں اب اس پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔(الرسالة القشيرية)

صوفیہ کی ایک بڑی جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ محبت دل سے موافقت کا نام ہے۔ محبت مخالفت وغیریت کے انتفا کو چاہتی ہے اور وہ ہمیشہ محبوب کے ساتھ ہوتا ہے، جب جب محبت میں اضافہ

ہوتا ہے تو محبّ کو محبوب کی موافقت اور تابعداری میں بھی اضافہ ہوتا ہے، محبت میں مخالفت کے لیے کوئی جگہ نہیں کیوں کہ مخالفت محبت میں کمزوری وضعف پیدا کر دیتی ہے اور محبّ کے دل سے نورِ محبت کو ختم کر دیتی ہے۔

سیدی عبدالقادر عیسیٰ کے نزدیک محبت کا تصور:

سیدی عبدالقادر عیسیٰ نے اپنی کتاب ’حقائق عن التصوف‘ میں ذکر کیا ہے کہ اللہ رب العزت کی محبت تمام مقامات میں بلند ترین مقام ہے اور درجات میں سب سے عظیم درجہ ہے، محبت کے ادراک کے بعد محبت کے توابع ودواعی کے سوا کوئی دوسرا مقام نہیں ہے اور اس کے توابع وثمرات شوق، انس، رضا وغیرہ ہیں اور محبت سے پہلے سوائے اس کے مقدمات (جیسے توبہ، صبر، زہد) کے کوئی مقام نہیں ہوتا ہے۔

محبت کی کوئی ایسی تعریف بیان نہیں کی جاسکتی جو محبت سے زیادہ واضح ہو، محبت کی تعریف کرنا مزید اس کی پوشیدگی میں اضافہ کرنا ہے، محبت کا وجود ہی اس کی تعریف ہے، اس لیے کہ تعریفات علوم وفنون کی ہوا کرتی ہیں جب کہ محبت ایک ایسی حالت ذوقیہ ہے جس کا فیضان محبت کرنے والوں کے دلوں پر ہوتا ہے اور سوائے ذوق سلیم کے اسے جاننے کا کوئی ذریعہ ووسیلہ نہیں اور جو کچھ بھی محبت کے تعلق سے کہا گیا وہ سب اس کے اثرات کا بیان، نتائج کی تعبیر اور اس کے اسلوب کی توضیح ہے۔ شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ لوگ محبت کی تعریف حقیقی کے متعلق مختلف آرار کھتے ہیں لیکن میری نظر میں کسی شخص نے بھی محبت کی حقیقی تعریف بیان نہیں کی بلکہ اس کی تعریف حقیقی متصور نہیں ہوسکتی اور جو بھی محبت کی تعریف بیان کی گئی وہ فقط محبت کے نتائج، آثار اور لوازمات ہیں۔

شیخ اکبر مزید فرماتے ہیں کہ:

> محبت ایسی غیر متعین چیز ہے جس کو متعین کرنا ممکن نہیں، وہ ایسا مجہول ہے کہ کسی بھی صورت میں اس کا حصول علم نہیں ہوسکتا۔

پھر آپ اشعار کے ذریعے اس معنی کو سمجھاتے ہیں:

ذوالحب لم یبرح مع الحب ثابتا　　　علی کل حال یر تضیه له الحب

ترجمہ: محبت کرنے والا ہر حال میں محبت پر قائم رہتا ہے، وہ ہر حال میں محبت سے

راضی ہے۔

شکور لما یھواہ منہ حبیبہ　　　فلیس لہ بعد ولیس لہ قرب

ترجمہ: اس کا محبوب اس سے جیسی بھی محبت کرتا ہے وہ اس سے راضی رہتا ہے، محبت میں دوری اور نزدیکی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

ابن الدباغ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محبت کی حقیقت کو صرف وہی شخص پا سکتا ہے جس نے اس کا مزہ چکھا ہے اور جو اس کے مزے سے واقف ہو گیا تو پھر اس پر کیفیت ذہول طاری ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس کے لیے محبت کا مزہ بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو نشے کی حالت میں ہے، اگر اس سے نشے کی حقیقت کے بارے میں دریافت کیا جائے تو نشہ اس کی عقل پر چھا جانے کے سبب وہ اس کی حقیقت کے بارے میں لب کشائی نہیں کر سکتا۔ (شراب اور محبت) دونوں نشوں میں فرق یہ ہے کہ شراب کا نشہ عارضی ہے جس کا زوال ممکن ہے اور اسے نشہ اترنے کے بعد بیان کیا جا سکتا ہے، لیکن محبت کا نشہ اور اس کی مدہوشی ذاتی و دائمی ہے جس کو یہ نشہ لاحق ہو گیا پھر اس کا اس سے اترنا ناممکن ہے، لہٰذا وہ مست و مدہوش اس کی حقیقت کے بارے میں کیسے بتا سکتا ہے اسی لیے محبت کے سلسلے میں کہا گیا ہے:

یصحو من الخمر شاربوھا　　　والعشق سکر علی الدوام

ترجمہ: شراب پینے والوں کو افاقہ ہو جاتا ہے اور عشق ایسا نشہ ہے جو ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

جب حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے محبت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

آنکھوں کا اشکبار رہنا اور دل کا شوق یار میں دھڑکنا محبت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث مبارکہ میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ایمان کے شرائط میں شمار کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ مَیں اس کے

نزدیک اس کی جان و مال اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔(بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، احمد بن حنبل)

محبت کی فضیلت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محبت کرنے والے اپنے محبوبوں کو صحبت و ہم نشینی اور جنت میں رفاقت کی بشارت دی ہے، حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص کسی جماعت سے محبت کرتا ہے اور ان سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے، تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا آدمی (جنت میں) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔(اس حدیث کو امام بخاری نے انس بن مالک اور امام مسلم نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا۔)

حضرات صوفیۂ کرام کی محبت الٰہی کے تعلق سے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرات صوفیہ ایسی جماعت ہیں جنہوں نے اپنے محتاج الی اللہ ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی اور ان کے دل باری تعالیٰ کی محبت ازلی میں مخلص ہو گئے۔ان کے اذہان وقلوب خدا کی توحید محبت میں خالص ہو گئے اور ان کی روحیں ملائے اعلیٰ سے مل گئیں۔

محبت زندگی کا راز ہے:

حضرات صوفیہ کرام محبت کو زندگی کا راز سمجھتے ہیں، اگر محبت نہ ہوتی تو خاندانی نظام نہ بنتا اور نہ ہی معاشرے کی بنیاد پڑتی، اگر محبت نہ ہوتی تو ذرات اور جزئیات مادے میں جمع نہ ہوتے بلکہ اگر محبت نہ ہوتی تو نیوٹرون اور پروٹون ایٹم میں جمع نہ ہوتے ،جس کو علوم طبیعات کے ماہرین نے کشش ثقل یا ایٹمی ذرات میں باہم قوت جاذبیت سے تعبیر کیا ہے،صوفیہ اس کو اپنی لطیف زبان میں محبت سے تعبیر کرتے ہیں،صوفیہ کا خیال ہے کہ پوری کائنات صرف دو حرفوں پر ٹکی ہوئی ہے یعنی ''حب''، وہ خیال کرتے ہیں کہ جب انسان اس درجے تک پہنچ جاتا ہے تو یہی اس کی تکمیل کا آخری درجہ ہے، کسی شاعر نے کہا ہے:

واحسن حالة الانسان صدق　　　واکمل وصفه حاء وباء

ترجمہ: انسان کی سب سے خوبصورت کیفیت سچائی ہے اور اس کا سب سے مکمل وصف ''حا'' اور ''با'' ہے۔

تکالیف آسان نہیں ہیں اگر وہاں محبت نہ ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کائنات میں ایک قوت ''قوت تنافر'' سے زیادہ ہوتا کہ وہ مختلف پروٹونز کو ایک دوسرے کے ساتھ جمع کر دے باوجودے کہ ان میں مختلف توانائیاں موجود ہوں اور وہ قوت ہی محبت ہے، اب جزئیات ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو بعض بعض کے ساتھ جڑ جاتے ہیں اور پروٹون الیکٹرون سے محبت کرتے ہیں تو انہیں اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں، زمین چاند سے محبت کرتی ہے تو اس کو اپنی جانب کھینچتی ہے اور اسی طرح زمین اور سورج کے درمیان بھی محبت ہے۔

بندے کا اپنے رب سے محبت کرنا:

امت اسلامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کی محبت فرض ہے اور ایمان کی سب سے بڑی علامت ونشانی ہے، رسالۂ قشیریہ میں اللہ تعالیٰ سے ایک بندے کی محبت کرنے کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے:

> یہ ایک ایسی کیفیت ہے جسے بندہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے، لیکن عبارت اس کے بیان سے قاصر ہے، یہ کیفیت اسے اس کی تعظیم، اس کی خوشنودی کے حصول، اس سے دوری پر بے چینی، اس کی جانب اشتیاق، اس کے بغیر بے قراری، دل سے ہمیشہ اس کی یاد سے دلچسپی جیسی حالتوں پر مجبور کر دیتی ہے.
>
> بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی چاہت میں کوئی نشان منزل یا حد بندی نہیں ہے، کیوں کہ اس کی صمدانی حقیقت گرفت، پہنچ اور احاطے سے پاک ہے، زیادہ درست یہی ہے کہ محبت تو محبوب میں فنا ہونے کا نام ہے نہ کہ حد بندی کا، محبت کے لیے محبت سے بڑھ کر نہ کوئی وصف ہے اور نہ اس سے نمایاں تر کوئی تعریف ہے اور نہ اس سے زیادہ فہم سے قریب تر کوئی لفظ ہے.

بندے کے اپنے رب سے محبت کے اثبات میں بعض آیات کریمہ اور احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ. (البقرۃ:۱۶۵)

ترجمہ: ایمان والے اللہ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَه (المائدۃ:۲)

ترجمہ: اللہ مومنوں سے محبت فرماتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یہ محبت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، اس لیے کہ اس میں محبّ اور محبوب کے درمیان محبت کا تبادلہ ہوتا ہے۔

مسند احمد بن حنبل میں عمرو بن الجموح نبی کریم علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں:

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بندے کو صریح ایمان کا ادراک و وجدان اسی وقت ہوگا جب کہ وہ اللہ سے محبت کرے، لہٰذا جب اس کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ اللہ کے لیے کسی سے محبت کرے اور اللہ کی خاطر کسی سے بغض رکھے تو بندہ منجانب اللہ ولایت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ دعا فرماتے تھے کہ:

اللّٰهم ارزقني حبك وحب من ينفعني حبه عندك اللهم ما رزقتني مما احب فاجعله قوة لي فيما تحب اللهم مازويت عني مما أحب فاجعله فراغا لي فيما تحب. (ترمذی)

ترجمہ: اے اللہ تو مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اس کی محبت عطا فرما جس کی محبت تیرے نزدیک نفع بخش ہو، اے اللہ تیری عطا کردہ چیزوں میں سے جن سے مَیں محبت کرتا ہوں ان کو میری لیے ان چیزوں کے لیے قوت و طاقت بنا دے جن کو تو پسند کرتا ہے، میری محبوب چیزوں میں سے جو تو نے مجھے عطا نہیں فرمائیں انہیں میرے حق میں ان چیزوں کے لیے فراغ و فرصت بنا دے جو تجھے پسند ہیں۔

رسول انور ﷺ نے فرمایا:

جو شخص اللہ کی بارگاہ میں اپنے مرتبہ و مقام کو جاننا چاہتا ہے تو اسے غور و فکر کرنا چاہیے کہ اللہ کا مرتبہ و مقام اس کے دل میں کیا ہے، اس لیے کہ رب تبارک و

تعالیٰ بندے کو اسی مرتبے پر فائز کرتا ہے جو مرتبہ بندہ اپنے رب کے واسطے رکھتا ہے۔(دار قطنی)

ابورزین العقیلی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت تیرے نزدیک سب سے زیادہ ہو۔(مسند احمد بن حنبل)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا ان کے اوپر مینڈھے کی کھال تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذرا اس شخص کی طرف دیکھو جس کے دل کو اللہ نے روشن فرما دیا میں نے اس سے پہلے اسے دیکھا تھا کہ اس کے والدین اسے عمدہ کھانے اور بہترین مشروبات کھانے کو دیا کرتے تھے لیکن اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس حالت کی طرف لے آئی جسے تم دیکھ رہے ہو(یعنی فاقہ کشی وافلاس کی جانب)۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے تھے:

اے اللہ تو مجھے محبوب بندوں میں شامل کر لے کیوں کہ جب تو کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اگر چہ وہ بہت ہوں اور اس بندے کے عمل اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیتا ہے اگر چہ وہ انتہائی قلیل ہوں۔

ایک مشہور حدیث میں وارد ہوا:

جب ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روح قبض کرنے آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا ''اے ملک الموت! کیا تم نے کہیں ایسا دوست دیکھا ہے جو دوست کو مارتا ہو''، فوراً اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی جانب وحی فرمائی کہ ''کیا تم نے کہیں ایسا محبت کرنے والا دیکھا جو اپنے محبوب سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرتا ہو''، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے ملک الموت! اب تم میری روح قبض کرلو۔

اس کیفیت کو وہی بندہ پائے گا جو اللہ سے دل کی اتھاہ گہرائی سے محبت کرتا ہو۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشادِ عالی ہے:

جس نے اللہ رب العزت کی خالص محبت کا مزہ چکھ لیا تو اسے غیر اللہ سے وحشت ہو گی اور اس نے اپنی ہر خواہش کو خدائے برتر کے واسطے چھوڑ دیا۔

ایک عاشقِ زار جب عشق و محبت کے متعلق گفتگو کرتا تو اس کی بے چینی اور بے قراری سے مسجد کی قندیلیں ٹوٹ جاتیں، ایک دفعہ اس سے کہا گیا کہ تو محبت کے سلسلے میں کلام کر تو اس نے جواب دیا کہ مَیں روئے زمین پر کسی کو نہیں پاتا جو محبت میں کلام کرنے کی اہلیت رکھتا ہو تو اسی وقت اس کے سامنے ایک پرندہ آ کر گرا، تو اس شخص نے کہا اگر اس کی کوئی اہلیت رکھتا ہے تو یہ ہے پھر وہ عاشق محبت کے متعلق اس پرندے سے گفتگو کرنے لگا اور پرندہ اپنی چونچ زمین پر مارنے لگا آخر کار اس پرندے کا خون بہنے لگا، وہ تڑپا اور مر گیا۔
یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ جلّ شانہ کا عفو و درگزر گناہوں کو فنا کر دیتا ہے تو اس کی رضا کا عالم کیا ہو گا اور اس کی رضا امیدوں و آرزوؤں کو ختم کر دیتی ہے تو اس کی محبت کا عالم کیا ہو گا اور اس کی محبت غیر اللہ کی یاد کو بھلا دیتی ہے تو اس کے لطف کا عالم کیا ہو گا۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ نے رب تبارک وتعالیٰ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

اے میرے معبود مَیں بچپن سے تیری فنا کی راہ میں مقیم اور حمد و ثنا میں مشغول ہوں تو نے مجھے اپنی طرف مائل کیا اور اپنی معرفت کا جامہ پہنایا اور اپنے لطف و مہربانی میں مجھے جگہ عنایت فرمائی، مجھے احوال عالیہ میں منتقل کیا اور پردہ پوشی، توبہ، زہد، شوق و رضا اور محبت سے تمام اعمال کو بدل دیا، تو اپنے حوض کے پانی سے مجھے سیراب کرتا ہے اور اپنے مشق کی کیاری میں چھوڑ دیتا ہے، مَیں تیرے حکم کا تابعدار اور تیرے کلام میں مشغول ہوں اور جب میری مونچھیں اُگ آئیں اور پَر ظاہر ہو گئے تو آج میں بڑا ہو کر تجھ سے کیسے انحراف وروگردانی کر سکتا ہوں۔ یہ مجھ میں تیری جانب سے بچپن سے تیاری ہوئی ہے لہٰذا میرے لیے تیرے سوا کوئی نغمہ

باقی نہ رہا اور تیرے ہی طرف عجز و انکساری کے ساتھ سرگوشی کرتا ہوں اس لیے کہ
مَیں محبت کرنے والا ہوں اور ہر محبّ اپنے حبیب کے ذکر سے شغف رکھتا ہے اور
غیر حبیب کے ذکر سے اعراض ورُوگردانی کرتا ہے۔

کسی سے کہا گیا کہ ان متحیر و ششدر محبت کرنے والوں کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا:
ان حضرات نے خالق حقیقی کی محبت کی حلاوت و چاشنی کا مزہ چکھ لیا ہے اور اللہ
کی جانب دعوت دینے والی عجیب و غریب آوازوں کو سماعت کرلیا ہے یہاں
تک کہ ان کی عقلیں اڑ گئیں اور دل اپنے محبوب کی جانب کھنچ گئے اور یہ اپنے
محبوب کی جانب مدہوش ہو گئے۔ محبت کہاں ہے؟ محبت کا خلوص کہاں ہے؟
کہاں ہے وہ جو محبت کا مستحق ہے؟ جان لو جسے اس رب حقیقی سے محبت ہو گئی وہ
ایک لمحہ بھی اس کی جدائی پر صبر نہیں کرسکتا۔

اے اللہ تو ہمیں ان محبت کرنے والوں کی جماعت میں داخل فرما جو تیری ذات پاک سے
انس رکھتے ہیں، ہمارے دلوں سے پردوں کو اٹھا دے، ہمیں اپنا قرب اور معرفت عطا کرا اور اپنے
دیدار سے مشرف فرما، ہمیں، ہمارے مشائخ اور ہمارے احباب کو محبین کے مقامات و مراتب عطا
فرما۔ آمین۔

محبت کے حقیقی اصول

اصل اول:

معرفت و ادارک کے بعد ہی اللہ کی محبت کا تصور ممکن ہے، محبت زندہ اور مدرک کے خصوصیات میں سے ہے، اس لیے کہ محبت لذت والی شے کی جانب میلان طبع اور بغض تکلیف دہ چیز سے طبیعت کے نفرت کرنے کا نام ہے۔

اصل دوم:

محبت ادراک و معرفت کے ماتحت حواس کی تقسیم کے بقدر منقسم ہوتی ہے، لہٰذا ہر حاسہ کسی ایک قسم کے مُدْرَک کا ادراک کرتا ہے اور ہر حاسے کے لیے بعض مدرکات میں لذت ہوا کرتی ہے مثلاً آنکھ کی لذت حسین وجمیل صورتوں کے دیدار میں ہے، کان کی لذت موزوں عمدہ نغمات کے سننے میں ہے، اچھی پاکیزہ ہواؤں اور خوشبو میں قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) کے لیے لذت ہے، قوت ذائقہ کے لیے عمدہ کھانوں میں لذت ہے اور نرم و نازک چیز میں قوت لامسہ کی لذت ہے۔

اصل سوم:

انسان اپنی جان سے محبت کرتا ہے اور اپنی جان ہی کی وجہ سے دوسروں سے محبت کرتا ہے۔
مَیں ان اسباب وعلل کو بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں جن کے باعث انسان اپنے آپ سے یا دوسروں سے محبت کرتا ہے۔ محبت کے اسباب درج ذیل ہیں۔

سبب اول:

ہر جاندار کے نزدیک اول ترین محبوب چیز اس کی جان ہوتی ہے اسی وجہ سے انسان اپنے وجود کا دوام چاہتا ہے اور موت وقتل کو ناپسند کرتا ہے، جب بھی وہ کسی مصیبت و بلا میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ مصیبت و بلا اس سے دور ہو جائے۔

سبب دوم:

دل اس جبلت وفطرت پر پیدا ہوئے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ان پر

احسان کرتا ہے اوران سے بغض ونفرت کرتے ہیں جوان کے ساتھ برائی سے پیش آتا ہے، اسی لیے سرورعالمﷺ دعا فرمایا کرتے تھے کہ ’’اے اللہ تو کسی فاجر وفاسق کا میرے اوپر کوئی احسان نہ رکھ کہ میرا دل اس سے محبت کرے‘‘، اسی سبب کی بنا پر بسا اوقات آدمی اس اجنبی انسان سے محبت کرتا ہے جس سے احسان کے سوانہ کوئی قرابت داری ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کا تعلق ہوتا ہے، لہٰذا جس نے اپنے محسن سے محبت کی درحقیقت اس نے اپنی ذات سے محبت کی بلکہ اس محسن کے احسان سے محبت کی اس لیے احسان اس محسن کے افعال میں سے ایک فعل ہے لہٰذا اگراس کے احسان میں کمی ہوگی تو اس شخص کی محبت میں کمی ہوگی اور اگر محسن کے احسان میں اضافہ ہوگا تو اس کی محبت میں بھی اضافہ ہوگا۔

سبب سوم:

کسی شے سے اس کی ذات کی وجہ سے محبت کرنا یہ ہی محبت حقیقی ہے جیسے حسن و جمال سے محبت کرنا، اس لیے کہ خوبصورتی کے ادراک میں آنکھ کو لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ لذت خوبصورتی کی ذات کے باعث محبوب و پسندیدہ ہے نہ کہ غیر کی وجہ سے۔ نبی اکرمﷺ سبزہ زاروں اور آب رواں کو پسند فرماتے تھے اور جب کہ خود رب کائنات صفت جمال کے ساتھ متصف ہے، لہٰذا جس پر باری تعالیٰ کا جمال وجلال منکشف ہوگیا اسے یقیناً خدائے برتر کی ذات پاک محبوب ہوگی اور جیسا کہ اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

> ترجمہ: بے شک اللہ صفت جمال کے ساتھ متصف ہے اور حسن و جمال کو پسند بھی فرماتا ہے۔ (اس حدیث کو مسلم، ترمذی، بیہقی، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ صورتی جمال نہیں ہے بلکہ صفاتی جمال ہے)

اصل چہارم:

انسان کا حسن و جمال سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اپنے معنیٰ حسن میں مکمل ہے مثلاً جب کہا جائے کہ گھوڑا خوبصورت ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ وہ گھوڑا ہے جو تمام ان چیزوں کا جامع ہے جو ایک گھوڑے کے لیے لائق ہے۔ جیسے ہیئت وشکل، رنگ، اچھی چال، پیچھے ہٹنے اور آگے بڑھانے میں آسانی ہونا۔ اسی طرح اچھا خط اسے کہیں گے جس میں وہ تمام چیزیں

پائی جائیں جو ایک خط کو درکار ہیں جیسے حروف کا متوازن ہونا، ان کی ترتیب کا درست ہونا، اچھے نظم ونسق سے انہیں رکھنا۔ لہٰذا وہ شخص جو کسی دیوار پر بنی ہوئی صورت کو اس کی ظاہری خوبصورتی کی وجہ سے محبوب رکھتا ہے اور وہ شخص جو کسی نبی سے محبت کرتا ہے دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اصل پنجم:

محبّ ومحبوب کے مابین ایک مخفی مناسبت ہوتی ہے، اس لیے کہ بسا اوقات دو ذاتوں کے درمیان بے حد محبت ہوتی ہے اور اس کی وجہ خوبصورتی یا خط والا سبب نہیں ہوتا وہ محبت صرف روحوں کی مناسبت سے ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

روحیں جمع شدہ لشکر ہیں ان ارواح میں جن کے درمیان باہم تعارف ہوتا ہے ان میں الفت ومحبت ہو جاتی ہے اور جن کے درمیان ناواقفیت ہوتی ہے ان میں اختلاف وٹکراؤ واقع ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم عن ابی ہریرہ)

محبت حقیقی کا مستحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہے

وجہ اول:

انسان کا اپنی بقا اور اپنے کمال، نیز اپنے وجود کو پسند کرنا اور اپنی ہلاکت و معدومیت کو ناپسند کرنا اللہ تعالیٰ سے غایت درجہ محبت کا متقاضی ہے اس لیے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا اور حتمی طور پر اس نے یہ جان لیا کہ اس کی ذات کا کوئی وجود نہیں ہے صرف اس کی ذات کا وجود و کمال اور اس کا دوام منجانب اللہ ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، عارف باللہ یہ پہچانتا ہے کہ اس کی ذات اور اس کا وجود غیر سے مستفاد ہے تو وہ یقیناً اپنے وجود بخشنے والے سے محبت کرتا ہے اور وہ ذات پروردگار عالم کی ہے۔

وجہ دوم:

انسان کا اپنے محسن سے محبت کرنے کی درج ذیل صورتیں ہیں کہ وہ محسن کی اپنے مال سے مدد کرے، اس سے نرمی و شائستگی کے ساتھ کلام کرے، اس کی امداد و نصرت کے لیے ہمہ وقت مستعد اور تیار رہے، اس کے دشمنوں کا قلع قمع کرے، شر پسند لوگوں کے شر کو اس سے دور کرے، اس کے محسن کی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے اغراض و مقاصد کی حصول یابی کے لیے واسطہ بن جاتا ہے، بلاشک یہ تمام چیزیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ انسان صرف ذات پروردگار سے محبت کرے کیوں کہ اگر انسان کو حقیقی معرفت حاصل ہوگی تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کا محسن حقیقی صرف اللہ رب العزت ہے۔ وہ منعم حقیقی ارشاد فرماتا ہے **اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا** (النحل:۱۸)، یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز شمار نہیں کر سکتے۔

وجہ سوم:

اللہ کی محبت کے اسباب و دواعی میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ انسان کی جبلت و فطرت میں محسن (احسان کرنے والے) کی محبت موجود ہے اگرچہ محسن کا احسان اس کی ذات تک نہ پہنچا ہو مثلاً جب آپ کے پاس یہ خبر پہنچے کہ دور دراز مقام پر ایک عدل و انصاف کرنے والا بادشاہ ہے جو عالم، عبادت گزار اور زاہد ہے، نیز جو لوگوں کے تئیں نرم ہے، ان پر مہربانی کرنے والا ہے،

تواضع پسند، منکسر المزاج ہے پھر آپ کے پاس ایک دوسرے بادشاہ کے متعلق خبر پہنچے کہ وہ بادشاہ انتہائی ظالم و جابر، فاسق و بدکردار شر پسند ہے اور یہ بادشاہ بھی آپ سے بہت دور ہو تو یقیناً آپ ان دونوں بادشاہوں کے تعلق سے اپنے دل میں فرق پائیں گے، پہلے بادشاہ کے لیے آپ اپنے دل میں میلان اور جھکاؤ پائیں گے اور اسی میلان کا نام محبت ہے اور دوسرے بادشاہ کے لیے آپ کے دل میں نفرت ہوگی اور اسی کا نام بغض ہے جب کہ آپ پہلے بادشاہ کی خیر سے محروم اور دوسرے بادشاہ کے شر سے مامون و محفوظ ہیں کیوں کہ آپ کو ان کے ملکوں میں داخل ہونا میسر نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان محسن سے اس کے محسن ہونے کی حیثیت سے محبت کرتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ محسن کا احسان اس تک پہنچا ہے اور یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضہ کرتی ہے بلکہ اس بات کا بھی تقاضہ کرتی ہے کہ آپ غیر اللہ سے صرف اس لیے محبت کریں کہ اس کا تعلق اللہ سے ہے کیوں کہ تمام مخلوق پر احسان وفضل فرمانے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

وجہ چہارم:

ہر خوبصورت چیز سے محبت اس کی ذات جمال کی وجہ سے ہوتی ہے، حسن و جمال کے ادراک کے سوا کسی اور چیز کے حصول کے لیے محبت نہیں ہوتی لہٰذا نفس جمال کے سبب محبت کرنا بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ اللہ عز وجل سے محبت کی جائے کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حسن و جمال، عظمت وجلال، کمال علم وقدرت کے ساتھ متصف ہے اور تمام عیوب و نقائص، خصائل رذیلہ وخسیسہ وغیرہ سے پاک ہے۔

وجہ پنجم:

محبت کے اسباب وعلل میں مناسبت ومشاکلت بھی ہے، لہٰذا بچہ بچے کو پسند کرتا ہے، بڑا بڑے سے انس حاصل کرتا ہے، پرندہ اپنے ہم جنس پرندے سے محبت کرتا ہے اور اپنے غیر جنس پرندے سے بھاگتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ. (بخاری،مسلم،مسند احمد،ابن خزیمہ،بیہقی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

اپنی صورت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ و نائب بنایا۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً. (البقرۃ:۳۰)

ترجمہ: جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا مَیں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

صورت سے مراد احکام الٰہیہ کا نفاذ اور منہیات سے اجتناب ہے۔ یہ چیز حضرت آدم علیہ السلام کے کمال نسبی کی جانب اشارہ ہے، لہٰذا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صورت الٰہی پر پیدا ہونے کے معنیٰ اللہ کے اسما وصفات کی صورت پر پیدا ہونا ہے، فرقۂ مجسمہ نے یہ باطل گمان کیا کہ صورت ظاہری جس کا ادراک حواس کے ذریعے ہوتا ہے، اس صورت ظاہری کے سوا کوئی اور صورت نہیں ہے، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو جسم سے تشبیہ دی اور اس کے لیے جسم کو ثابت مانا حالانکہ باری تعالیٰ ان کے قول سے انتہائی بلند و بالا ہے (یعنی وہ جسم وجسمانیت سے پاک ہے) اور اسی صورت معنوی کی جانب حدیث قدسی میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

مَیں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی، حضرت موسیٰ نے عرض کی، اے میرے رب! یہ کیسے ہوسکتا ہے (یعنی تیرا بیمار ہونا محال ہے) تو اللہ رب العزت نے فرمایا میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

اور یہی صورت معنوی ہمیں اس حدیث قدسی میں بھی نظر آتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے:

جس نے میرے ولی سے دشمنی رکھی مَیں اسے جنگ کی اجازت دیتا ہوں یعنی اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ میرے بندے نے میری محبوب شے (جو

مَیں نے اس پر فرض کی ہے) کے واسطے سے میرا قرب حاصل کیا اور میرا بندہ نفلی عبادت کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے ، یہاں تک کہ مَیں اسے اپنا محبوب بندہ بنالیتا ہوں اور جب مَیں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو مَیں ضرور اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو مَیں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں ۔ (بخاری، ابن ماجہ، مسند احمد، ابن حبان وغیرہ)

اس حدیث قدسی پر شیخ ابن رجب حنبلی نے تعلیق فرمائی ہے جو اللہ کے ساتھ حلولیت کے شبہات کو دور کرتی ہے جیسا کہ بعض نام نہاد مسلمانوں نے اللہ کے حلول کا قول کیا ہے۔ شیخ ابن رجب فرماتے ہیں کہ:

اس کلام (حدیث مذکور) کی مراد یہ ہے کہ جس نے فرائض پھر نوافل کی ادائیگی کر کے خدائے تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں کوشش و محنت کی تو اللہ نے اسے اپنا قرب خاص عطا فرما دیا اور اسے ایمان کے درجے سے احسان کے مرتبے پر پہنچا دیا تو ایسا بندہ حالت حضور میں رب تبارک و تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اس کا دل اللہ رب العزت کی معرفت و محبت، عظمت و جلال، خوف و ہیبت، شوق و انس سے بھر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ عرفان کے ایسے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے کہ بصیرت کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور جس کا یہ حال ہو جاتا ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فلاں کے دل میں سوائے پروردگار عالم کے کوئی شے باقی نہیں رہی یعنی اس کے دل میں معرفت خداوندی، محبت الٰہی اور ذکر مولیٰ باقی رہ گیا اور اسی معنی کے سلسلے میں ایک مشہور حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میری وسعت نہ میری زمین نے رکھی اور نہ میرے آسمان نے رکھی لیکن میرے مومن بندے کے دل نے میری وسعت و گنجائش رکھی''۔

لہٰذا جب دل عظمت الٰہی سے بھر گیا تو اس بندے نے اپنے دل سے ماسوا اللہ کو مٹا دیا، پھر اس بندے کا نہ اپنا نفس رہا اور نہ کوئی خواہش و آرزو باقی رہی۔ نیز اس کا کوئی اپنا ارادہ نہیں رہا، اب اللہ جو چاہتا ہے بندہ اسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اس وقت بندہ اپنے رب کے ذکر میں زبان کھولتا ہے، اسی کے حکم سے حرکت کرتا ہے، اگر اب وہ گفتگو کرتا ہے تو اللہ کے ساتھ گفتگو کرتا ہے، اگر وہ سنتا ہے تو اللہ کی سماعت سے سنتا ہے، دیکھتا ہے تو رب بے نیاز کی نگاہ سے دیکھتا ہے، پکڑتا ہے تو اللہ کی قدرت سے پکڑتا ہے، لہٰذا حدیث میں جو ''با'' وارد ہوئی ہے وہ مصاحبت کے معنیٰ میں ہے اور یہ ایسی مصاحبت ہے جس کی کوئی نظیر و مثال نہیں، اس کا ادراک صرف احادیث پڑھ کر اور ان کو جان کر نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس کے معنی یہ ہیں کہ بندہ سنتا اور دیکھتا ہے پکڑتا اور چلتا ہے اس حال میں (اللہ فرماتا ہے) کہ مَیں اس کا ساتھی ہوتا ہوں اور یہ اللہ کے اس فرمان کی طرح ہے جو ایک دوسری حدیث قدسی میں وارد ہوا کہ مَیں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے ذکر میں اس کے لب حرکت کرتے ہیں یہ معیت وہی معیت خاصہ ہے جس کا ذکر اللہ کے اس فرمان میں ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (جامع العلوم والحکم، ابن رجب حنبلی)

محبت کی اہمیت اور اس کے درجات

انسان کی طبیعتوں میں سب سے پہلے کھانے کو پسند کرنے کی طبیعت پیدا ہوتی ہے، پھر کچھ عرصے بعد نکاح کرنے کی طبیعت تخلیق ہوتی ہے، تو اس وقت وہ کھانے کی محبت کو کمتر سمجھتا ہے، پھر جس وقت وہ اور بڑا ہوتا ہے اور مزید اس میں پختگی و مضبوطی پیدا ہوتی ہے تب اللہ تعالیٰ اس میں سرداری اور بڑے بننے کی طبیعت پیدا فرماتا ہے تو وہ کھانے اور نکاح کی طبیعت کو کمتر سمجھتا ہے، پھر جب اس میں پختہ پن اور زیادہ آتا ہے تو انسان میں معرفت کی طبیعت پیدا ہوتی ہے پھر وہ تمام طبیعتوں کو کمتر اور چھوٹا سمجھتا ہے اور ہر طبیعت کی مصاحب محبت ہوا کرتی ہے چنانچہ محبت کے انواع واقسام میں سب سے اعلیٰ واشرف محبت رب کائنات کی محبت ہے کیوں کہ یہ محبت معرفت کا ثمرہ ہے۔

بعض لوگ سب سے پہلی طبیعت (کھانے کی محبت) پر اکتفا کر لیتے ہیں، اس قسم کے انسان جانوروں سے ممتاز نہیں ہوتے (حیوانیت کا ان میں غلبہ رہتا ہے) اور بعض وہ لوگ ہیں جو معرفت کو پسند کرنے کی طبیعت تک پہنچ جاتے ہیں اور یہی طبیعت ان کو معرفت الٰہی کے انتہائی قریب لے جاتی ہے اور اللہ کی محبت اس کی رضا میں کاوش وجدوجہد کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور یہی رب بے نیاز کی معرفت سب سے بڑا مقصد اور سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

اللہ کی محبت سب سے اشرف و اعلیٰ لذت ہے

کوئی بھی محبت کے بغیر زندگی بسر نہیں کرتا، خواہ وہ انسان و جانور ہو یا جماد ہو، اس کا نام علم طبیعات میں ''نظریۃ التجاذب العام بین الاجسام'' رکھا جاتا ہے (یعنی تمام اجسام میں کشش و جذب کا نظریہ) یہ نظریہ بتاتا ہے کہ تمام اجسام محبت کی صفت کے ساتھ متصف ہیں، یہاں تک کہ جمادات میں بھی یہ صفت پائی جاتی ہے، یقیناً ساری لذتیں ادراک کے تابع ہیں انسان تمام طبیعتوں اور قوتوں کا جامع ہے۔ ہر قوت وطبیعت کی ایک لذت ہے اور اس کی لذت اپنی تخلیق شدہ طبیعت کے موافق ہے اور ہر طبیعت کا ایک مقصد ہے جس کے تحقق کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اس طبیعت کو پیدا فرمایا ہے۔

چنانچہ غضب وغصہ کی طبیعت انتقام و بدلہ کے لیے پیدا کی گئی ہے، تو بلا شبہ اس طبیعت کی لذت انتقام وغلبہ میں ہے اور یہی انتقام اس کی طبیعت کا مقتضی ہے، اسی طرح کھانے کے خواہش کی طبیعت اس غذا کے حصول کے لیے پیدا ہوئی ہے جس سے بدن کا قوام ہے، لہٰذا اس طبیعت کی لذت اس غذا کو حاصل کرنے میں ہے، جو اس کی طبیعت کا تقاضا ہے۔ سننے، دیکھنے اور سونگھنے کی طبیعت کی لذت اچھی اور مرغوب ومحبوب چیزوں کے سننے دیکھنے اور سونگھنے میں ہے۔ ان طبیعتوں کا محسوسات سے تعلق کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی انسانی طبیعت لذت والم سے خالی نہیں، اسی طرح دل میں بھی ایک طبیعت ہے جس کو نورِ الٰہی کہا جاتا ہے اور یہ طبیعت انسان کو اپنے خالق حقیقی کی معرفت کی جانب راہنمائی کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُورٍ مِنْ رَبِّهٖ. (الزمر:۲۲)

ترجمہ: تو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کشادہ کر دیا ہے تو وہ اپنے رب کی جانب سے نور پر ہے۔

یہ بات کسی پر مخفی و پوشیدہ نہیں ہے کہ علم ومعرفت میں ایک لذت کارفرما ہے اس لیے کہ اگر کسی کو علم ومعرفت کے ساتھ منسوب کیا جائے تو وہ خوش ہوتا ہے اگر چہ اس کا علم کسی معمولی حقیر چیز کے متعلق ہو اور اگر کسی کو جہالت کے ساتھ منسوب کیا جائے تو وہ غمزدہ ہو جاتا ہے اگر چہ اس کی

جہالت کا تعلق ایک کمتر چیز سے ہو۔اسی لیے انسان کمتر چیزوں کے تعلق سے علم میں کمی یا بے جا تعریف پر صبر کا مظاہرہ نہیں کر پاتا ہے۔

علم اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے وہ بلا شبہ علیم ہے، ازل وابد کا اسے مکمل علم ہے۔اسی لیے جب ذکا اور علم کی بنیاد پر کسی طبیعت کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ خوش ہوتی ہے اور ممدوح بالعلم اپنی کمال ذات کمال علم کی تعریف کو سنتے وقت خوش ہوتا ہے، تو اپنی ذات کو پسند کرتا ہے اور اس سے تلذذ حاصل کرتا ہے کیوں کہ صفت علم کو بقیہ تمام صفات پر فضیلت وفوقیت حاصل ہے۔خواہ صفت علم حق تبارک وتعالیٰ کی جناب میں ہو یا انسان کی طبیعت میں۔علمی لذتیں اپنے مراتب کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں مثلاً کاشتکاری اور خیاطت کو جاننے کی لذت ملک کی سیاست اور مخلوق کے امور کی تدبیر کے مانند نہیں ہوتی ہے۔اسی طرح فن نحو وشعر جاننے کی لذت باری تعالیٰ کی ذات وصفات، فرشتوں، زمین وآسمان کے ملکوتی نظام جاننے کی لذت کی طرح نہیں۔درحقیقت اس لذت سے برتر کوئی لذت نہیں ہے کیوں کہ خالق کائنات کے وجود سے عظیم وکامل جلیل القدر کوئی شئے نہیں ہے کیوں کہ حسن وجمال کی تکمیل اور شاہنشاہی کی آب وتاب میں بارگاہ یزدانی سے عظیم و برتر کوئی بارگاہ نہیں۔اس بارگاہ کے اجلال کے مبادی اور اس کے احوال کے عجائب و غرائب کا کوئی وصف وتعبیر احاطہ نہیں کرسکتا۔امور الٰہیہ کے دقیق وخفی اسرار ورموز پر مطلع ہونا اور ان امور کے تمام موجودات کا احاطہ کرنا معرفت کے اقسام میں سب سے اعلیٰ اور درجات علوم میں سب سے اشرف ہے، یہی علوم بارگاہ ربانی سے محبت وانسیت کی جانب پہنچانے والے ہیں، جب بندے کی معرفت الٰہی میں اضافہ ہوگا تو اس وقت اللہ کی محبت وقرب اور انس میں زیادتی ہوتی ہے، وہی ذات حق منعم حقیقی سخی، مہربان ورحیم ہے۔

معرفت الٰہی کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ:

> دل کی قربت قریب کی طرف ہونا (جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے) روح کا مراقبہ محبوب کے لیے ہونا اور بادشاہ مجیب کے سوا ہر ایک سے علیحدہ وجدا ہونا (معرفت الٰہی ہے)۔

جیسا کہ اشیا کو جاننے کی لذت میں ان اشیا کی قدر وقیمت کے اعتبار سے اضافہ ہوتا ہے ایسے ہی

ان اشیا سے محبت کی لذت میں زیادتی ہوتی ہے، لیکن یہاں سوائے ذات پروردگار کے کوئی حقیقتاً محبوب نہیں ہے اس کی ذات بلند و بالا اس کی قدر ارفع و اعلیٰ ہے۔اس کے متعلق عارف باللہ حضرت سیدہ رابعہ عدویہ علیہا الرحمہ فرماتی ہیں کہ

اے میرے محبوب! مَیں تجھ سے دوطرح کی محبت کرتی ہوں ایک تو خواہشات کی وجہ سے محبت اور دوسری اس لیے کہ تو اس کا اہل ہے۔رہی وہ محبت جوخواہشات کی وجہ سے ہے تو اس میں تیرے علاوہ کسی اور کے ذکر سے غافل کردیا ہے،اور رہی وہ محبت جس کا تو اہل و مستحق ہے تو اس کی وجہ سے تو اپنے حجابات میرے لیے اٹھادے تاکہ مَیں تیرا دیدار کرسکوں،مَیں ان دونوں محبتوں کی وجہ سے قابل تعریف نہیں ہوں بلکہ یہ دونوں محبتیں اس وجہ سے ہیں کہ تو ان دونوں کا مستحق ہے۔

حضرت رابعہ عدویہ کا قول ''تو اپنے حجابات میرے لیے اٹھادے تاکہ مَیں تیرا دیدار کرسکوں'' ان حجابات اور پردوں سے مراد دل کی آنکھیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں بہت سے مقامات پر بہرے گونگے اور دل کے اندھوں کی جانب اشارہ فرمایا ہے ان کثیر آیات میں سے دو آیتیں درج ذیل ہیں کہ:

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ. (الحج:۴۶)

ترجمہ: بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

وَتَرٰهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ وَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ. (الاعراف:۱۹۸)

ترجمہ: تو ان کو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ رب کائنات کے مشاہدے سے دل کے پردوں کو دور کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

حق تبارک وتعالیٰ تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے بلکہ تو اس کی جانب دیکھنے سے روک دیا گیا کیوں کہ اگر کوئی چیز اللہ کو چھپانے والی ہوتی تو اس کے وجود کو محصور کر دیتی اور ہر وہ چیز جو کسی کو محصور کر دیتی ہے وہ اس پر غالب ہوتی حالانکہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے **وھو القاھر فوق عبادہ** (الانعام:۱۸) وہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے (تو یہ نتیجہ نکلا کہ کوئی چیز ذات حق کے لیے رکاوٹ نہیں ہے اور اسے چھپانے والی نہیں ہے)

حضرت رابعہ عدویہ علیہا الرحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہی ہیں کہ ان کی سماعت، بصارت اور زبان ودل سے پردوں کو چاک کر دیا جائے تاکہ ان کا دل اللہ کے صفات کے نور کا مشاہدہ کرے اور کلام الٰہی کو سنے، حق تبارک وتعالیٰ سے سرگوشی کرے اور اسے سمجھے جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

میرا بندہ نوافل کی کثرت سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ مَیں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو مَیں اس کے کان، آنکھ اور تائید ونصرت کرنے والا ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ (بخاری، مسلم)

اور ایک دوسری روایت میں بھی اسی طرح کا مضمون وارد ہوا ہے۔

کسی عارف باللہ کے متعلق بیان کیا گیا کہ وہ دنیا کی محبت کا پھندا اپنے گلے سے نکال چکا تھا خواہش وآرزو سے یکسر بے نیازی اختیار کر کے رب کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دے چکا تھا اور اپنی فریاد اپنے آقا کے حضور پیش کر رہا تھا کہ:

کانت لقلبی اھواء مفرقة　　　فاستجمعت مذ راتک العین أھوائی

ترجمہ: میرے دل کی مختلف خواہشات تھیں لیکن جب سے آنکھ نے تجھے دیکھا میری خواہشیں ایک مرکز پر جمع ہو گئیں۔ یعنی میرے دل میں بہت سی خواہشات تھیں مگر تجھے دیکھنے کے بعد صرف ایک خواہش ہو گئی۔

فصار یحسدنی من کنت أحسدہ　　　وصرت مولی الوری مذ صرت مولائی

ترجمہ: تو جس سے مَیں حسد کرتا تھا اب وہ مجھ سے حسد کرنے لگا، جب سے تو

میرا آقا ہوا ہے مَیں دنیا کا سردار ہو گیا۔

ترکت للنّاس دنیاھم و دینھم　　　شغلا بذکرک یادینی و دنیائی

ترجمہ: اے میرے دین و دنیا! تیرے ذکر میں مشغول ہونے کے باعث میں نے لوگوں کے لیے ان کے دین و دنیا کو چھوڑ دیا۔

کوئی سامع یہ وہم کرسکتا ہے کہ اس شخص (اللہ والے) نے اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلیا جیسا کہ شعر سے بادیٔ النظر میں وہم ہوتا ہے، تو یہ وہم حقیقت سے دور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں خالق حقیقی کی محبت و الفت سما گئی اور وہ ساغر محبت میں اسی طرح ڈوبا کہ دنیوی تعلق سے بے نیاز و بے پروا ہو گیا۔ اس مرتبہ و مقام کو فقط وہی شخص سمجھ سکتا ہے اور اس کی لذت سے وہی آشنا ہوسکتا ہے جس کے دل سے (ظلمت و جہالت کے) پردے چاک ہو گئے ہوں اور جس کا باطن انوارِ حق کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے لیے پاک و صاف ہو چکا ہو۔

ابن قیم جوزیہ نے اُس مقام محبت کی شرح کرتے ہوئے کہا جو ادیان و مذاہب کی اصل ہے:

ارادت و محبت ہر کام کی اصل و بنیاد ہے اور محبت ہی ہر دین و مذہب کی اساس ہے، خواہ وہ دین حق ہو یا باطل، کیوں کہ دین ظاہری و باطنی اعمال میں سے ایک عمل ہے، محبت و ارادت ہر عمل و فعل کی اساس ہے۔ دین اطاعت و فرماں برداری، عبادت و اخلاق کا نام ہے، لہٰذا وہ اطاعت جس میں ہمیشگی و دوام ہو اسے خلق کہا جاتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان **انک لعلی خلق عظیم** میں خلق کی تفسیر دین سے کی گئی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے ابن عیینہ سے روایت کی کہ عبداللہ بن عباس نے **انک لعلی دین عظیم** فرمایا۔ (الجواب الکافی لابن القیم)

اے برادر مؤمن! شریعت مطہرہ کے دامن کو مضبوطی سے تھامنا اور اس کی مخالفت و روگردانی نہ کرنا محبت الٰہی کی علامت میں سے ہے، ہمیں ایک اور محبّ کی بات غور سے سننا چاہیے، جو اپنے حبیب حق تبارک وتعالیٰ سے کہتا ہے:

وھجرہ اعظم من نارہ　　　ووصلہ اطیب من جنّتہ

ترجمہ: محبوب حقیقی کا ہجر و فراق اس کی دوزخ سے زیادہ سخت ہے اور اس کا
وصال جنت سے زیادہ اچھا ہے۔

وہ لوگ جو اپنے خالق کے دیدار کے مشتاق ہیں ان کے دل درج ذیل آیت کی صدا سے لرزاں و ترساں ہیں کہ کہیں وہ اس آیت کریمہ کے مصداق واہل نہ ہو جائیں کہ:

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوْبُوْنَ. (المطففین:۱۵)

ترجمہ: یقیناً وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم کر دیے جائیں گے۔

رؤیت باری کے تعلق سے ایک عارف باللہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے بعض بندے وہ ہیں جن کو اگر جنت میں رؤیت باری سے محروم کر
دیا جائے تو وہ اس طرح فریاد کریں گے جس طرح دوزخی جہنم کی آگ کی وجہ
سے فریاد کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب مومن کے ایمان باللہ میں اضافہ ہوتا ہے تو اس وقت اس کی محبت الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ ہی محبت دین کی بنیاد اور دعاؤں کا قوام ہے۔

اللہ کی بندے سے اور بندے کی اللہ سے محبت پر بعض آیات مبارکہ

پہلی آیت:

اے نبی مکرم! ان کو بتا دیجیے کہ اللہ سے تمہاری محبت کرنے کی علامت یہ ہے کہ تم اس کے نبی کی سنت کی اتباع کرو اور نبی کے نائبین وو ارثین، علما وصالحین کی پیروی کرو اگر تم نبی کی اتباع کرو گے تو تم محبت پرورد گار میں کامیاب وکامران ہو جاؤ گے اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (آل عمران:۳۱)

ترجمہ: اے رسول! آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع و تابعداری کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کی بخشش فرمادے گا، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت مذکورہ مومن کے مقصود حقیقی کو متضمن ہے اور وہ مقصود اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کا مومن کو اس مقصد حقیقی تک بلانا ہے، جس کے بعد ایک ذی عقل کے لیے کوئی مقصد نہیں رہتا۔ اس عظیم محبت کو آنحضرت ﷺ کی سنت کی اتباع اور سیرت مقدسہ کی پیروی کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ عبد بن حمید نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ میرے طریقے پر نہیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ کی تلاوت فرمائی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ سے باری تعالیٰ کے اِس فرمان (یعنی **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ**) کے متعلق روایت کی ہے کہ تم نیکی وتقویٰ، تواضع، نفس کشی پر میری اتباع کرو۔ ابن ابی حاتم نے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان **اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ**

اَحَبَّ (ترجمہ: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے (سائل سے) فرمایا کیا تو نے اللہ کا ارشاد قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا) نہیں سنا یعنی اللہ تم کو قریب فرمائے گا محبت کا نام ہی قرب ہے اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا ہے یعنی ان کو قرب عطا نہیں کرتا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم اللہ سے بے حد محبت کرتے ہیں، تو اللہ نے ارادہ فرمایا کہ اپنی محبت کی ایک علامت مقرر فرمائے، لہٰذا اس آیت کریمہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ نازل فرمائی، اسی آیت کی روشنی میں حسن بصری نے فرمایا کہ اے مخاطب! تو اللہ سے اسی وقت محبت کر سکتا ہے جب تو اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے محبت کرے۔

دوسری آیت:

درج ذیل آیت مومن صادق کے اخلاق کو بیان کر رہی ہے، دین سے بیزار اور تارکین جہاد کو متنبہ کر رہی ہے اور دعوت توحید کے غلبے کی بشارت دے رہی ہے، نیز مومن بندوں کو اس بات کی خوش خبری دے رہی ہے کہ خالق کائنات ان سے محبت فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. (المائدہ:۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو پیدا فرمائے گا جو اللہ سے محبت کرے گی اور اللہ اس سے محبت فرمائے گا، وہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اللہ وسعت والا جاننے والا ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ کے فرمان یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ الایۃ کے متعلق نقل کیا کہ آپ نے فرمایا یہ اللہ کی جانب سے وعید ہے کہ تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھرا تو اللہ تعالیٰ تم کو تم سے بہتر لوگوں کے ذریعے بدل دے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے اللہ کے قول ''أذلة'' کی تفسیر رحما سے کی ہے، ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ أذلة علی المومنین کے معنیٰ ہیں کہ وہ اپنے دین والوں کے لیے نرم ورقیق ہوں گے اور أعزۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کے لیے انتہائی سخت ہوں گے جو ان کے دین کی مخالفت کرے گا۔

شیخ ابن رجب حنبلی ''جامع العلوم والحکم'' میں اس آیت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جس نے ہماری محبت سے اعراض کیا اور ہمارے قرب سے روگردانی کی اور بے پروائی اختیار کی تو ہم اس کے بدلے میں اس شخص کو لائیں گے جو اس فضل و انعام کا اس سے زیادہ حقدار ہوگا۔ لہٰذا جس نے اللہ سے منھ موڑا تو اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی بدل نہیں ہے اور اللہ کے لیے اس کے مقابل بہت سے نعم البدل ہیں، محبوب کے دشمنوں سے مجاہدہ و مقابلہ کرنا اور اس سے محبت کرنے والوں کو دوست رکھنا محبت کے کمال میں سے ہے۔ محبّ کے لیے محبوب کی رضا مندی کے سوا کچھ نہیں ہے، نیز اس پر لازم ہے کہ جس سے محبوب راضی ہو اس سے وہ راضی ہو اور جس سے محبوب ناراض ہو اس سے وہ ناراض ہو اور جو اپنے محبوب کی محبت میں ملامت سے ڈرتا ہے وہ محبت میں سچا نہیں ہے۔

وقف الھویٰ بی حیث انت   فلیس لی متأخر عنکم ولا متقدم

ترجمہ: عشق نے مجھے آپ کے پاس لا کھڑا کیا تو نہ اب میرے لیے آپ سے آگے بڑھنے کی گنجائش ہے اور نہ پیچھے ہٹنے کی۔

اجد الملامۃ فی ھواک لذیذۃ   حبا بذکرک فلیلمنی اللوم

ترجمہ: آپ کے عشق میں مَیں ملامت کو بھی لذیذ پاتا ہوں، یہ آپ کی یاد سے محبت کی وجہ سے ہے تو ملامت کرنے والے میری ملامت کرتے رہیں۔

علامہ ابن قیم نے کہا:

دوستی کی اساس محبت ہے کیوں کہ باہم دوستی وموالات محبت سے ہی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ عداوت ودشمنی کی جڑ بغض ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان والوں کا دوست اور مددگار ہے، لہٰذا اہل ایمان اللہ کے دوست ہیں کیوں کہ یہ اللہ سے محبت کر کے اسے دوست بناتے ہیں اور اللہ ان سے محبت فرما کر انہیں اپنا دوست بنالیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ مومن بندے کواس کی محبت کے بقدر دوست رکھتا ہے، اسی سبب اللہ رب العزت نے صرف ان لوگوں پر نکیر فرمائی جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو دوست بنا لیا نہ کہ ان پر جن حضرات نے اس کے دوستوں کو اپنا دوست قرار دیا ہے، کیوں کہ ان حضرات نے اللہ کو چھوڑ کر انہیں اپنا دوست ومحبوب نہیں بنایا بلکہ یہ اللہ کے دوستوں کواس لیے دوست رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں۔

تیسری آیت:

مومن کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس کا نفس کسی ایسی چیز سے محبت نہ کرے جواس کے محبوب کی ارادت ورضا کے منافی ہو، ہر وہ شے جس سے محبوب حقیقی حق تبارک وتعالیٰ ناراض ہوا یک خالص محبت کرنے والا اس سے کسی قسم کا تعلق پیدا نہ کرے، اس کی ہم نشینی اور اس شے کو محبوب کے مساوی اور ہم پلہ جاننے سے پرہیز کرے۔

باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (البقرة:١٦٥)

ترجمہ: بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کواس کا شریک بنا لیتے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کی جاتی ہے، حالانکہ اہل ایمان اللہ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

عبد بن حمید حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

کچھ لوگ غیر اللہ کو انداد یعنی شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اللہ کی طرح محبت کرتے ہیں یعنی ان معبودان باطل سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے مومنین اللہ سے کرتے ہیں اور مومن اللہ سے بہت محبت کرتے ہیں یعنی کفار کے اپنے بتوں سے محبت کی بہ نسبت مومن اللہ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اپنی مسند میں نقل کرتے ہیں:

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ کسی ایسی جگہ سے گزر ہوا جہاں ایک چھوٹا بچہ بیٹھا ہوا تھا، جب اس بچے کی ماں نے جماعت کو دیکھا تو اسے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کے بچے کو روند نہ دیا جائے، تو وہ پکارتی ہوئی دوڑتی ہے کہ میرا بیٹا، میرا بیٹا (عورت کی یہ صورت حال دیکھ کر) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس عورت کی حالت کیا ہوگی جب اس کا بیٹا آگ میں ڈالا جائے گا؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا نہیں خدا کی قسم اللہ اپنے محبوب کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں جس میں ہوں اس نے ایمان کی حلاوت و چاشنی پالی۔ (۱) اللہ اور اس کے رسول اس کے نزدیک ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ (۲) وہ کسی بھی شخص سے فقط اللہ کے لیے محبت کرے۔ (۳) اسے کفر میں لوٹنا اتنا ناپسند ہو جیسا کہ اسے اپنا آگ میں ڈالا جانا۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد)

چوتھی آیت:

اللہ جل شانہ کی محبت کے سامنے ہر قسم کی محبت، عصبیت، حمیت ہیچ ہے، اس ذات پاک کے مقابل حسب ونسب کی کوئی حقیقت نہیں، ماں باپ، اولاد بیوی، کنبہ وتجارت کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. (التوبہ :۲۴)

ترجمہ: آپ فرما دیجیے اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تم اندیشہ کرتے ہو اور تمہارے پسندیدہ مکان اللہ و رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ حکم بھیج دے، اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔

جو شخص اللہ کی محبت اور اس کے ذکر سے اعراض کرتا ہے اور اس کی شوق ملاقات سے روگردانی کرتا ہے خداوند قدوس اسے غیر اللہ کی محبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اسی وجہ سے دنیا، برزخ اور آخرت میں عذاب دیتا ہے۔ اب یا تو اللہ تعالیٰ بتوں، صلیبوں اور آگ سے محبت کرنے کے سبب عذاب دے گا یا وہ شخص عورتوں، امرد دوست وغیرہ جیسی کسی حقیر و ذلیل چیز کی محبت میں گرفتار ہونے کے باعث عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوگا، لہٰذا انسان اپنے محبوب کا خادم وغلام ہے اب چاہے اس کا محبوب کوئی بھی ہو، جیسا کہ سیدی ابن الفارض فرماتے ہیں:

أنت القتيل بأى من احببته   فاختر لنفسک فی الهوى من تصطفی

ترجمہ: جس سے بھی تو نے محبت کی بہر حال تجھے اس کی محبت میں مرنا ہے، لہٰذا تو عشق کے معاملے میں اپنے نفس کے لیے اختیار کر کہ کس کو پسند کر رہا ہے۔

لہٰذا اللہ جس کا مالک و مولیٰ نہ ہو ایسے شخص کی خواہش ہی اس کا خدا ہوتی ہے۔

بخاری کی وہ حدیث جو حضرت انس سے مروی ہے اس میں یہ بات گزر چکی ہے کہ بندے کے دل میں ایمان کی حلاوت اور چاشنی کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے نزدیک اللہ و رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

پانچویں آیت:

محبت الٰہی کے نام پر فقط جھوٹے دعوے نہ ہوں جس طرح یہود و نصاریٰ خدا کی محبت کے

باطل دعوے کرتے ہیں، درحقیقت محبت کے کچھ علامات وشواہد ہوتے ہیں، اس کی واضح ترین علامت ترک مخالفت اوران نافرمانیوں سے پرہیز واجتناب کرنا ہے جومحبوب کوناراض وغضبناک کرتی ہوں اس لیے کہ ہرمحبت کرنے والا اپنے محبوب کی تابعداری وفرماں برداری کرتا ہے۔

پروردگارعالم ارشادفرماتا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ. (المائدہ:۱۸)

ترجمہ: یہود ونصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اوراس کے محبوب ہیں (اے رسول) آپ ان سے فرمادیجیے! پھراللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم اس کی پیدا کردہ مخلوق میں ایک بشر ہو، اللہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، زمین وآسمان اور اس کے مابین اللہ ہی کی بادشاہت وحکومت ہے اور ہر چیز کواس کی طرف پلٹنا ہے۔

ابن ابی حاتم اورابن جریرحضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نعمان بن اُصما، عمرو بن عمراورشاس بن عدی یہودیوں کے پاس تشریف لائے توانہوں نے آپ سے گفتگو کی آپﷺ نے بھی ان سے کلام فرمایااوران کودعوت الی اللہ دی اوران کواللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ان لوگوں نے کہا ''اے محمد! تم ہمیں ڈراتے ہوخدا کی قسم ہم اللہ کے بیٹے اوراس کے محبوب ہیں''، تو آیت مذکورہ نازل ہوئی قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نحن ابناء اللّٰه واحباؤه۔

ایک صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت کیا کہ تم قرآن میں کس جگہ پاتے ہوکہ محبّ اپنے محبوب کوعذاب نہیں دے گا، ان فقیہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا، توصوفی نے قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْ

بِکُم (ترجمہ: فرما دیجیے! پھر اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟) آیت تلاوت کی۔ اس آیت مقدسہ کی تفسیر میں یہی بات حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے جس کا ذکر ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔

حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا:

وہ شخص اپنی محبت میں سچا نہیں ہے جس نے اللہ سے کیے گئے عہد و پیمان کی حفاظت نہیں کی، اس کی حرمات کی تعظیم نہیں کی اور اس کے احسان و فضل کو نہیں پہچانا۔

اے یہود و نصاریٰ! تم محبت الٰہی کا کس منہ سے دعویٰ کرتے ہو حالانکہ تم جس ذات سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اسی کی مخالفت کرتے ہو اس کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں چھوڑتے۔

محبت اور توحید

دورِ حاضر میں بعض جاہل لوگ جن کی وجہ سے عالم اسلام مصائب میں مبتلا ہے، ان حضرات پر شرک و بدعت اور گمراہی کی تہمت لگاتے ہیں جو علمائے دین کا احترام کرتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں مگر حقیقت میں یہ جاہل اپنے اس طرز عمل سے صالحین امت کے خلاف اپنے دلوں میں بھرے ہوئے بغض وحسد کا اظہار کرتے ہیں نیز اس روح محبت اور اس اسلامی بھائی چارے سے دوری ظاہر کرتے ہیں جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی پہلی جماعت نے خلوص و محبت، باہم رحم وشفقت کی عمدہ اور اعلیٰ مثالوں کے ذریعے پیش کیا۔ یہ محروم و نامراد لوگوں کی جماعت (جن کے دل بدعت کے خوگر اور شریعت محمدیہ سے انتہائی دور ہیں) چاہتی ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کے دلوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیں جن کے دل آب ابر کی مانند صاف وشفاف ہیں ان کے نفوس قدسیہ بغض وکینہ پروری سے پاک ہیں اور روحیں بشری علائق سے منزہ ہیں۔

ہر قلب سلیم رکھنے والے پر یہ حقیقت آشکارا ہے اور ہم میں سے ہر ایک اپنی حقیقی زندگی میں بھی مشاہدہ کرتا ہے کہ انسان جب کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے محبت کرتا ہے مثلاً جب انسان کسی ذات سے محبت کرتا ہے تو چاہتا ہے اس کے متعلق باتوں کو سنے، اس کے دوستوں، احباب، شناسا لوگوں میں اٹھے بیٹھے، بلکہ وہ اپنے محبوب کے اکرام و تعظیم کے باعث اس کے متعلقین سے محبت کرتا ہے کیوں کہ یہ بات مسلّم ہے کہ محبت کرنے والے کے لیے محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔

شیخ اکبر ابن عربی نے فرمایا:

و ذو الحب لم یبرح مع الحب ثابتا　　　علی کل حال یرتضیها له الحب

ترجمہ: محبّ محبت میں ہر اس حالت پر جما رہتا ہے جس کو اس کا محبوب پسند کرتا ہے۔

وشکور لما یهواه منه حبیبه　　　فلیس له بعد ولیس له قرب

ترجمہ: اور وہ عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جس کو اس کا معشوق اس سے چاہتا ہے، اس کے لیے قرب و بعد کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے۔ یعنی وہ قرب و بعد

سے بے نیاز ہوتا ہے۔

ہمیں محبت کے اسی بلیغ درجے کو سننا چاہیے جو کسی صوفی کے نزدیک ہے، فرماتے ہیں:

عــذابــہ فیک عـذب　　　　بــعــدہ فیک قــرب

ترجمہ: تیری خاطر محبت کی تکلیفیں بھی میرے لیے شیریں ہیں اور اس کی دوری بھی قرب ہے۔

حسبی مـن الـحب انی　　　　لــمــا تــحــب احــب

ترجمہ: مجھے محبت کے باب میں اتنا ہی کافی ہے کہ مَیں ہر اس چیز سے محبت کرتا ہوں جس سے تو محبت کرتا ہے۔

اے برادر مومن! تیرا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو اللہ رب العزت سے محبت کرتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت اپنے محبوب حقیقی (ذات پروردگار) کے باعث کرتا ہے کیوں کہ آپ ﷺ وہ حبیب کبریا ہیں کہ ہر ہولنا کی کے وقت آپ کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔

لفظ حبیب لغت میں محبّ اور محبوب دونوں معنیٰ میں آیا ہے تو آپ ﷺ اللہ کے بھی حبیب ہیں اور مؤمنین کے بھی حبیب ہیں، لہٰذا آپ حبیب بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں۔ اس شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو نبی کریم ﷺ سے تو محبت کرتا ہو اور آپ سے محبت رکھنے کی وجہ سے آپ کے نائبین خلفائے راشدین، علمائے عاملین سے محبت نہ کرتا ہو؟ نیز آپ کی رسالت پر ایمان رکھنے والے عام مومنین اور اطاعت شعار مسلمانوں کو محبوب نہ رکھے؟۔

اس سلسلے میں ابن قیم اپنی کتاب ''الجواب الکافی'' میں رقم طراز ہیں:

محبوب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک محبوب لنفسہٖ ہوتا ہے، دوسرا محبوب لغیرہٖ، تسلسل محال کو دور کرنے کے لیے محبوب لغیرہٖ کی انتہا محبوب لنفسہٖ پر ہونا ضروری ہے، محبوب حقیقی کے ماسوا ہر چیز محبوب لغیرہٖ ہے کیوں کہ سوائے رب تبارک و تعالیٰ کے کوئی چیز نہیں جس سے لنفسہٖ محبت کی جائے، اللہ رب العزت کے سوا جس سے بھی محبت کی جاتی ہے وہ رب کائنات کی محبت کے تابع ہوتی ہے جیسا

کہ فرشتوں، انبیائے کرام اور اس کے ولیوں کی محبت کیوں کہ ان حضرات کرام سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے اور اس کے لوازمات میں سے ہے اس لیے کہ محبوب سے محبت کرنا اس بات کو لازم قرار دیتا ہے کہ محبوب کے محبوب سے محبت کی جائے۔

ہم امام الفقہ امام شافعی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس شعر کو فراموش نہیں کر سکتے جس کو وہ اکثر گنگنایا کرتے تھے کہ

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ لَعَلِّیْ اَنْ اَنَالَ بِھِمْ شَفَاعَةً

ترجمہ: مَیں نیک حضرات سے محبت کرتا ہوں اگرچہ مَیں ان میں شامل نہیں ہوں امید ہے کہ مَیں ان سے محبت کرنے کی وجہ سے ان کی شفاعت پالوں۔

اے برادر مومن! محبت ایمان کا پیمانہ ہے اور جیسا کہ یہ مشہور ومعروف بات ہے کہ ایمان میں کمی وبیشی ہوتی ہے تو ایمان کی کمی وبیشی محبت کی کمی وبیشی کے سبب ہوتی ہے۔

اے اللہ! تو ہمیں اس بات سے مامون ومحفوظ فرما کہ ہم سے تیرے حبیب مکرم، اولیائے کرام اور تیرے مومن بندوں کی محبت میں کوتاہی واقع ہو، اے ارحم الراحمین ان حضرات کے لیے ہماری محبت میں اضافہ فرما۔

یہی محبت حضور ﷺ کے اس فرمان لَا تُؤْمِنُوا حَتّٰی تَحَابُّوا۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ) (تم ایمان والے نہیں ہوگے یہاں تک کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرو) کی مصداق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، نسائی)

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

اے میرے مسلمان بھائی! ذرا غور تو کر کہ سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کس طرح ایمان کو محبت سے ملا دیا اور محبت کو ایمان کی شرط اول اور بنیاد قرار دیا، لہٰذا جہاں اللہ ورسول اور اہل

ایمان سے محبت پائی جائے گی وہاں ایمان پایا جائے گا اور جہاں اللہ و رسول اور اہل ایمان کی محبت مفقود ہوگی وہاں ایمان بھی مفقود ہوگا۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا کہ محبّ صادق وہ ہے جو اپنے محبوب کی محبت میں اس طرح فنا ہو جائے کہ وہ ہر اس شئ سے محبت والفت رکھے جس سے اس کا محبوب محبت والفت رکھتا ہے اور یہی حال حضرات صوفیہ کرام کا ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت اللہ کے سوا کسی سے محبت نہیں کرتے اور اگر وہ کسی مخلوق سے محبت کرتے ہیں تو فقط اللہ کے لیے کرتے ہیں یا اس لیے کرتے ہیں کہ وہ خود اللہ کے محبوب بندے ہیں، بخدا یہی عین توحید ہے۔

صوفیہ کرام اگر اپنے شیخ سے محبت کرتے ہیں تو اس لیے کہ ان کا شیخ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اگر وہ کھانے کو پسند کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کھانا انہیں اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری پر طاقت وقوت فراہم کرتا ہے اور اہل ایمان سے اس لیے محبت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے حبیب کے امتی ہیں۔ صوفیہ کرام کی یہ محبت اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کے ساتھ کمال ادب پر دلالت کرتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک سچی محبت کرنے والا اپنے محبوب کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

محبوب کے متعلقین واحباب کی محبت کا ابھی ہم نے جو ذکر کیا محبّ ان سے محبت اپنے محبوب کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے، محبوب کی ہر پسندیدہ شئ سے محبت کر کے محبّ اپنے محبوب کی محبت پر دلائل وبراہین پیش کرنا چاہتا ہے گویا کہ محبّ زبان حال سے یہ کہتا ہے:

> اے میرے پروردگار! تو ہمارے سرورِ کونین محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت فرماتا ہے اسی سبب مَیں آپ ﷺ اور آپ کے محبین سے محبت کرتا ہوں اور آنحضرت کے نقش قدم پر چلتا ہوں، ان کے طریقے کی اتباع و پیروی کرتا ہوں اور ہر اس شخص کو مَیں عزیز دوست رکھتا ہوں جو رسول عربی ﷺ پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی، مَیں ان تمام لوگوں کی رضامندی کے لیے کوشاں ہوں۔ امید ہے کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے اور اپنا قرب خاص عطا فرما دے۔

☆☆☆

وہ اسباب جو مومن کے حب الٰہی میں اضافہ کرتے ہیں

یہ بات واضح ہوچکی کہ اللہ کی مخلوق میں آخرت میں حال کے لحاظ سے وہ شخص سب سے زیادہ نیک بخت اور سعادت مند ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے، کیوں کہ آخرت کے معنی بارگاہ خداوندی میں پیش ہونا اور لقائے باری تعالیٰ کی سعادت سے بہرہ مند ہونا ہے۔ محبّ کے لیے سب سے عظیم وارفع نعمت اس وقت حاصل ہوگی جب وہ طویل شوق کے بعد اپنے محبوب حقیقی کے سامنے حاضر ہوگا اور تا ابد محبوب کی ہم نشینی میں اس کے مشاہدات میں مستغرق رہے گا، جہاں کوئی رقیب ہوگا نہ کوئی مزاحم، نہ مشاہدات محبوب کے منقطع ہونے کا خوف ہوگا اور نہ عیش کو ختم کرنے والی شے کا اندیشہ ہوگا مگر یہ نعمت عظمیٰ محبت کی قوت کے بقدر ہوگی اور جب جب محبت میں اضافہ ہوگا لذت وسرور میں اضافہ ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اصل محبت مومن کے دل سے جدا نہیں ہوتی ہے اور محبت کی قوت جس کی انتہا گرویدگی اور شیفتگی پر ہوتی ہے اور یہ وہی ہے جو محبّ کو محبوب کے لقا کے لیے بے چین و بے قرار کر دیتی ہے، اس محبت سے اکثر لوگ محروم رہتے ہیں۔

آخر الذکر محبت کے حصول کے دو سبب ہیں:

پہلا سبب:

دنیا کے علائق کا دور ہونا اور دل سے غیر اللہ کی محبت کا نکالنا (محبت حقیقی کی حصولیابی کا پہلا سبب ہے) کیوں کہ دل اس برتن کے مثل ہے جو ایک وقت میں صرف ایک ہی تر چیز کی وسعت و گنجائش رکھتا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ. (الاحزاب:۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے اندر دو دل نہیں بنائے۔

محبت مطلوبہ یہ ہے کہ بندہ صمیم قلب سے پروردگار عالم کو محبوب رکھے، جب تک وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے تو اس کے دل کا ایک گوشہ غیر اللہ کے ساتھ مشغول رہتا ہے، لہٰذا جس قدر اس

کا دل غیر اللہ کے ساتھ مشغول رہے گا اسی قدر اللہ کی محبت اس سے کم ہوتی رہے گی، یہ ہی مومن کے قول لا اله الا اللّٰه (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کے معنی ہیں یعنی لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ اِلَّا اللّٰہُ سوائے اللہ کے کوئی معبود حقیقی نہیں ہے وَلَا مَحْبُوْبَ بِحَقٍّ اِلَّا اللّٰہُ یعنی اللہ کے سوا کوئی محبوب حقیقی نہیں ہے۔ ہر محبوب جو اللہ سے پھیر دے وہ معبود (باطل) ہے اس لیے پروردگار عالم نے فرمایا:

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوَاهُ. (الفرقان:۴۳)

ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا۔

ابن قیم جوزیہ ''الجواب الکافی'' میں محبت کی یک جائی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

ایک دل میں محبوب حق اور مخلوق کی محبت کا اجتماع ناممکن ہے، اس لیے کہ خالق و مخلوق کی محبت آپس میں ضد ہے، جو ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ضروری ہے ان دونوں محبتوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو دل سے نکال دے، تو جو شخص اس سب سے بلند و بالا محبوب کی محبت میں مضبوط وقوی ہوگا جس کے ماسوا کی محبت باطل ہے اور صاحب محبت کے لیے انجام کے اعتبار سے عذاب ہے تو یہ بلند ترین محبوب کی محبت اسے غیر کی محبت سے منحرف کر دے گی اور اگر وہ شخص غیر سے محبت کرے گا تو اس اشرف واعلیٰ محبوب کی وجہ سے کرے گا یا اس لیے کہ غیر کی محبت اس محبوب حقیقی کی محبت کے لیے وسیلہ ہوگی یا اس محبت سے باز رکھے گی جو محبوب حقیقی کی محبت کی ضد و نقیض ہے۔

ابن قیم آگے لکھتے ہیں:

سچی محبت محبوب کی یکتائی کا تقاضا کرتی ہے، نیز وہ اپنی محبت میں غیر کی شرکت کو پسند نہیں کرتی جب کہ محبوب مخلوق میں سے ہوتو وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کا محبّ غیر کو اس کی محبت میں شریک کرے تو محبوب ایسے محبّ پر ناراض ہوتا ہے، اس سے کنارا کشی اختیار کرتا ہے اور اپنے قرب سے اسے محروم کر دیتا ہے اور اس محبّ کو اپنے دعویٔ محبت میں جھوٹا گردانتا ہے حالانکہ وہ محبوب مجازی

خالص اور شدید محبت کا اہل بھی نہیں ہے تو اس محبوب حقیقی کا عالم کیا ہوگا کہ محبت اسی وحدہ لاشریک کو زیب دیتی ہے غیر اللہ کی محبت محبّ پر عذاب و وبال ہے اس لیے اللہ تعالیٰ محبت میں شرکت کرنے والے کی بخشش نہیں فرمائے گا اور اس کے سوا جس کی چاہے گا مغفرت فرمادے گا۔

دوسرا سبب:

دل کو تمام دنیوی روابط وتعلقات سے پاک وصاف کرنے کے بعد اس دل پر معرفت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے اور اسی کیفیت کے متعلق کہا گیا ہے:

مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فَاضَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ.

ترجمہ: جس نے چالیس دن اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر لیے اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمتوں کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔

جب بندے کا قلب اغیار کی محبت سے خالی ہو جائے تو اس وقت اسے معرفت حاصل ہوتی ہے، معرفت کی تعریف یوں بھی بیان کی جاتی ہے کہ اللہ کے ماسوا ہر چیز دل مومن سے محو ہو جائے خواہ وہ رائی کے دانے سے بھی کمتر ہو اسی فقدانِ غیر اللہ کا نام معرفت ہے۔

دل کو شواغل دنیویہ سے صاف کرنا ایسا ہے جیسے بیج کو خس وخاشاک سے صاف کر کے زمین میں بونا، پھر اس بیج سے محبت ومعرفت کا درخت پیدا ہوتا ہے یہی محبت ومعرفت وہ پاکیزہ کلمہ ہے جس کی مثال اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلام میں یوں بیان فرمائی:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا. (ابراہیم:۲۴)

ترجمہ: کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ نے کیسی عمدہ مثل بیان کی کہ کلمہ طیبہ اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان میں ہیں اور یہ درخت ہر وقت اپنے رب کے حکم سے پھل دے رہا ہے۔

اور اسی معرفت خداوندی کی جانب اللہ کے اس فرمان میں اشارہ ہے:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ. (فاطر:۱۰)

ترجمہ: اسی کی جانب پاکیزہ کلمات اور عمل صالح چڑھتے ہیں اور اللہ اس کو بلند کرتا ہے۔

عمل سے مراد یہی محبت ہے اور جب جب اس معرفت کا حصول ہوگا تو یقیناً اس کے تابع محبت ہوگی، دل کو دنیوی مشاغل سے منزہ کرنے کے بعد فکر صافی، پروردگار عالم کا دائمی ذکر، طلب میں جد و جہد اور سعی بلیغ، خدائے برتر کے افعال و صفات میں عمیق نظر نیز آسمانوں کی بادشاہت اور جملہ مخلوقات میں غور و فکر کرنے سے معرفت الٰہی تک پہنچا جا سکتا ہے۔

لوگوں کے محبت الٰہی میں مختلف ہونے کے اسباب

اللہ و رسول کی اصل محبت میں تمام مومن مشترک ہیں کیوں کہ بغیر محبت کے ایمان کی کوئی حقیقت نہیں، لیکن معرفت الٰہی کے اختلاف کے سبب لوگ محبت میں مختلف ہیں۔ اس لیے کہ اشیا صرف اپنے اسباب وعلل کے اختلاف کے باعث مختلف ومتفاوت ہوتی ہیں، اکثر لوگوں کو معرفت خداوندی حاصل نہیں ہوتی ہے، سوائے اللہ کی ان صفات کے جن کو ان کے کانوں نے سنا اور ان لوگوں نے اسے پا کر محفوظ کرلیا اور بسا اوقات ان کے دلوں میں ان معانی کا خیال گزرتا ہے جن سے اللہ جل شانہ کی ذات بلند و بالا ہے کبھی وہ لوگ صفات الٰہیہ کو فقط تسلیم کر لیتے ہیں کیوں کہ وہ اس کی حقیقت پر آگاہ نہیں ہوئے اور نہ ان کے صفات کے کوئی فاسد معنی کا خیال ان کے دل پر گزرتا ہے کیوں کہ یہ عمل میں مشغول ہو گئے اور بحث و کرید کو انہوں نے ترک کردیا، یہی لوگ اصحاب یمین میں سے سلامتی والے ہیں اور متخیل لوگ گمراہ ہیں (جو اللہ کی صفات کے متعلق غلط خیال باندھتے ہیں جس سے پروردگار عالم کی ذات پاک ہے) اور صفات الٰہیہ کی حقیقتوں کو پہچاننے والے مقربین ہیں۔

مزید وضاحت کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمہ ایک عالم باعمل تھے، ان سے علمائے کرام اور عوام الناس سب ہی محبت کرتے ہیں (یعنی سب ان کی محبت میں مشترک ہیں) کیوں کہ یہ سب لوگ امام شافعی کے فضل و کمال، حسن سیرت و کردار، ان کے خصائل حمیدہ کے یکساں طور پر معترف ہیں، مگر عام انسان نے ان کے علم کو اجمالاً جانا ہے اور ایک عالم ان کے علم کو تفصیلاً جانتا ہے، لہٰذا امام شافعی علیہ الرحمہ سے ایک عالم وفقیہ کی معرفت و محبت ایک عامی شخص کے مقابلے میں زیادہ ہوگی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ماہر و کامل مصنف کی بہترین کتاب پر مطلع ہوا اور اس نے اس مصنف کو اچھا سمجھا اور اس کی فضیلت کو تسلیم کرلیا تو یقیناً وہ مصنف اس شخص کو محبوب ہوگا اور اس کے دل میں اس مصنف کی جانب میلان اور جھکاؤ ہوگا، اب وہی شخص اسی مصنف کی کسی دوسری تصنیف کو دیکھے جو پہلی والی سے زیادہ بہتر ہو تو بلاشبہ اس شخص کے دل میں مصنف کی محبت دو چند

ہو جائے گی کیوں کہ مصنف کی معرفت اس کے علم کے باعث دو چند ہوگی یہی حال تمام اعمال اور صنعت وحرفت کا ہے۔

مثلاً ایک عامی جب سنتا ہے کہ فلاں مصنف ومؤلف کی تصنیف بہت اچھی ہے، لیکن وہ عامی یہ نہیں جانتا ہے کہ اس مصنف کی تصنیفات میں کیا ہے، تو اسے مؤلف کی معرفت مجمل حاصل ہوگی اور اس کی جانب اس کا میلان طبع بھی مجمل ہوگا، مگر ایک صاحب بصیرت شخص جب اس مؤلف کی تالیف میں غور وخوض کر کے ان عجائب پر مطلع ہوگا جس پر کتاب مشتمل ہے تو بلا شک و شبہ مؤلف سے اس کی محبت میں اضافہ ہوگا، کیوں کہ صنعت کے عجائب وغرائب صانع کے مبلغ کمال صفات پر دلالت کرتے ہیں، لہٰذا عالم اور عامی دونوں رب کائنات کی کاریگری کو جانتے ہیں اور اس کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں لیکن صاحبِ بصیرت عالم عاَلم میں باری تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار کو تفصیلی طور پر جانتا ہے۔

مومن کو اللہ جل شانہ کی محبت ومعرفت میں اضافہ وزیادتی اس کی نعمتوں اور تخلیق میں غور وفکر کے طریق سے حاصل ہوتی ہے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی:

> اے داؤد! تو مجھ سے محبت کر اور میرے محبوبوں سے محبت کر اور میرے بندوں کو مجھ سے محبت کرنے والا بنا، حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! مَیں تجھ سے اور تیرے محبوبوں سے محبت کرتا ہوں لیکن مَیں تیرے بندوں کو تیرا محبّ کس طرح بناؤں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو میری نعمتیں یاد دلا۔

بلا شبہ جب صاحب بصیرت بندۂ مومن رب کائنات کی نعمتوں اور اس کی مخلوق کے عجائبات میں غور وفکر کرتا ہے اور اس کے اسرار ورموز میں غوطہ زن ہوتا ہے تو از سر نو قدرت الٰہی کی عظمت و رفعت کا ادراک کرتا ہے اور اسے اس بات کا اذعان ویقین ہو جاتا ہے کہ پروردگار عالم قدرت، بقا، کمال اور وجود کی صفات میں یکتا ہے اور صفات عجز وقصر بندے کے خواص میں داخل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے سامنے بندہ سب سے چھوٹے جانور کی تخلیق سے بھی عاجز وقاصر ہے، کیوں کہ وہ ہستی جس کی انتہا خود فنا ہے وہ کسی دوسرے کی تخلیق سے یقیناً عاجز ہوگی۔ اسی طریقۂ تفکیر کے ذریعے انسان معرفت الٰہی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

معرفت کا بلند ترین مقام یہ ہے کہ تو ہر چیز اور ہر موجود کو اللہ کے واسطے سے پہچانے۔ کسی عارف باللہ سے دریافت کیا گیا کہ معرفت الٰہی کے حصول کا کیا طریقہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پروردگار کو اشیا کے واسطے سے نہیں جانا جائے بلکہ اشیا کو رب کائنات کے واسطے سے جانا جائے۔ حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں:

عرفت اللّٰہ باللّٰہ و عرفت ما دون اللّٰہ بنور اللّٰہ

ترجمہ: مَیں نے اللہ کو اللہ ہی کے ذریعے پہچانا اور دیگر اشیا کو اللہ کے نور سے پہچانا۔

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری اپنی احتیاج الی اللہ کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں دعا کرتے ہیں:

اے اللہ! جو چیز اپنے وجود میں تیری محتاج ہے اس سے تیری جانب رہنمائی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ کیا تیرے علاوہ کسی کو وہ ظہور حاصل ہے جو تجھے نہیں؟ یہاں تک کہ وہ تیرا مظہر ہو جائے؟ تو غائب کہاں ہے (یعنی غائب نہیں ہے) کہ تجھ پر رہنمائی کرنے کے لیے کسی رہنما کی ضرورت ہو، تو کب دور ہے؟ (یعنی دور نہیں ہے) کہ تیری جانب پہنچانے کے لیے آثار و علامات کی حاجت ہو۔ اے میرے معبود! مَیں تجھی سے تیرا وصال چاہتا ہوں مَیں تیرے ذریعے تجھ پر رہنمائی چاہتا ہوں تو اپنے نور سے اپنی جانب مجھے ہدایت دے اور مجھے اپنے حضور مقام عبدیت پر قائم رکھ۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک نظر ڈالنا اور موجودات الٰہی میں غور و فکر کرنا از سر نو اس کے دل میں خالق کی عظمت و قدرت کو ثابت کرتا ہے، اب خواہ یہ تفکیر وہ خود اپنی ذات میں کرے یا آسمان و زمین میں کرے، یا زمین پر پیدا شدہ درختوں، نہروں اور جانوروں میں کرے۔

معرفت الٰہی میں لوگوں کی فہم کی کوتاہی کا سبب

ہماری عقلیں ناتواں و ناقص ہیں اور بارگاہِ الٰہیہ کا حسن و جمال غایت درجہ روشن و منور ہے، یہاں تک کہ آسمانوں اور زمین کی وسعتوں میں کوئی ذرہ ظہورِ خداوندی سے خالی نہیں ہے (ہر ذرے پر اس کی نورانی کرنیں پڑ کر اسے خیرہ کر رہی ہیں) لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ظہور ہی اس کے خفا کا سبب بن گیا۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے نور کی چمک کی وجہ سے مخفی ہوگئی اور اپنے ظہور کے سبب آنکھوں سے پوشیدہ ہوگئی اور اس بات سے آپ حیرت و استعجاب کا شکار نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے ظہور کی وجہ سے مخفی ہے کیوں کہ اشیا اپنے اضداد سے ظاہر ہوتی ہیں اور جس ذات کا وجود بغیر کسی ضد کے ہو اس کا ادراک انتہائی دشوار ہے۔ اس کی مثال وہ سورج کا نور ہے جو زمین پر چمکتا ہے، ہم جانتے ہیں کہ یہ نور ایک عرض ہے جو زمین پر ظاہر ہوتا ہے اور آفتاب کے غائب ہوتے ہی وہ نور زائل ہو جاتا ہے، اگر سورج دائمی طور پر چمکتا رہے تو وہ نور غائب نہیں ہوگا، لیکن ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ جملہ جسموں میں ان کے ظاہری رنگ مثلاً سیاہی، سفیدی، سرخی وغیرہ کے علاوہ کوئی ہیئت نہیں ہے، مگر جب سورج غائب ہوتا ہے اور سارے مقامات تاریک ہو جاتے ہیں تو ہمیں دونوں حالتوں کے مابین فرق کا ادراک ہوتا ہے اور ہم اس بات کو جان لیتے ہیں کہ جملہ اجسام کسی روشنی کے سبب روشن و تابناک تھے اور کسی صفت سے وہ متصف تھے، سورج کے غروب ہوتے ہی وہ روشنی جدا ہوگئی، لہٰذا ہم نے نور کے وجود اور اس کے عدم کو پہچان لیا۔

خالق کائنات کی کوئی ضد نہیں ہے اس لیے کہ وہ معدوم و غائب نہیں ہوتا، اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، ورنہ آسمان اور زمین منہدم ہو کر تہس نہس ہو جاتے اور ملک و ملکوتی نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا ایک طریقے پر تمام اشیا کی رہنمائی کرنا اور تمام حالتوں میں خود اس کا دائمی وجود اس کے عدم کو محال قرار دیتا ہے، لہٰذا یقیناً اس کے ظہور کی شدت نے ہی اس میں پوشیدگی و خفا کو پیدا کیا ہے، پس معرفت الٰہی میں قصور فہم کا یہ ہی سبب ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ شہوت پرستی میں منہمک ہونا انوار معرفت سے حصول ضیا سے مانع ہے اور دنیا میں یہ انہماک معرفت کے

سمندروں میں سیر وسیاحت کے راستوں کومسدود کر دیتا ہے۔

لوگ معرفت الٰہی اور اس کی طلب میں اس مدہوش کی مانند ہیں جو گھڑی باندھے ہوئے ہے اور ذہول ونسیان کے باعث اسی گھڑی کو تلاش کررہا ہے۔

لہٰذا جلیات وانوار جب مطلوب ہوجاتے ہیں تو دشوارترین ہوتے ہیں اور اسی کے متعلق کہا گیا:

لقدت ظهرت فما تخفى على احد الاعلى اكمه لا يعرف القمرا

ترجمہ: تو ایسا ظاہر و باہر ہے کہ صرف تو اس نابینا پر مخفی ہے جو چاند کو نہیں پہچانتا۔

لكن بطنت بما اظهرت محتجبا فكيف يعرف من بالعرف قد سترا

ترجمہ: لیکن تو اپنے ظہور ہی کے سبب پوشیدہ ہوگیا پس اس ذات کی معرفت کیسے حاصل ہوسکتی ہے جو معرفت ہی کے باعث چھپ گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنا اور اس محبت کے معنی

علامہ ابوالقاسم قشیری ’رسالۂ قشیریہ‘ میں بندے سے اللہ کی محبت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بندے کی محبت یہ ہے کہ وہ کسی خوبی پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے اور بندے سے اللہ کا محبت کرنا یہ باری تعالیٰ کی صفات فعلیہ میں سے ہے، اس سے مراد احسان مخصوص ہے، جس کا القا اللہ رب العزت بندے پر کرتا ہے اور یہ ایسی حالت مخصوصہ ہے جس کی جانب بندہ ترقی کرتا ہے۔

بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ میں اللہ نے اس بات کی جانب راہنمائی فرمائی ہے کہ وہ بندے سے محبت کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا:

یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ:۵۴) ترجمہ: اللہ بندوں سے محبت کرتا ہے اور بندے اس سے محبت کرتے ہیں۔

اللہ کا یہ کلام اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ اللہ کی محبت بندوں کی محبت سے سابق ہے اور بندوں کی اس سے محبت کرنا مسبوق ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ کا احسان وکرم بندوں پر پہلے ہوتا ہے اللہ نے اپنے مومن بندوں سے محبت کے تبادلے کو ثابت فرمایا ہے جیسا کہ اللہ نے اپنے کلام رضی اللہ عنهم ورضوا عنه (المائدہ:۱۱۹) (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔) میں بندوں اور اپنے درمیان تبادلۂ رضا کو ثابت فرمایا ہے۔

اللہ جل شانہ نے نیک بندوں کے لیے اپنی محبت کے وہ اسباب وعلل بیان کیے جو بندوں کو اللہ سے قریب کرتے ہیں اور اس سے مانوس کرتے ہیں ان امور واسباب میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

قرآن کریم کی تلاوت، اللہ کے بندوں پر احسان کرنا، دل کا اس کے سامنے عاجزی وانکساری اور احتیاج کو ظاہر کرنا، مجالس صالحین میں بیٹھنا، راہِ خدا میں جہاد کرنا، رسول مقبول ﷺ کی اتباع کرنا، اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات کا دل سے مطالعہ کرنا، اس کے احسان وانعام کا مشاہدہ کرنا، ہر حال میں اس کا ذکر کرنا، ظاہر وباطن کو صاف ستھرا رکھنا اور اس کے علاوہ اللہ کی رضا پانے کے لیے توجہات قلبیہ اور عبادات خاصہ ادا کرنا اور یہ تمام چیزیں بندے کو تائید پروردگار اور خدائے برتر کی نظر رحمت سے حاصل ہوتی ہیں۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کی علامات ونشانیاں

پہلی علامت:

اللہ بندے کے دل میں اپنا انس اور غیر کی وحشت ڈال دے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ ''اُنس'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''جب بندے پر قربِ الٰہی اور اس رب بے نیاز کا جمال وکمال منکشف ہوتا ہے اور اس سے بندے کے دل کو جو خوشی و انبساط حاصل ہوتا ہے اسی کا نام انس ہے''۔ بعض حضرات نے کہا کہ قرب کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ چیزوں کو دل سے محسوس کرے اور اس کا ضمیر خدائے برتر سے سکون واطمینان حاصل کرے۔

مخلوق کے انس و وحشت کے معانی میں بے شمار احادیث وآثار وارد ہوئے ہیں، کچھ حسب ذیل ہیں:

(الف) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش وامتحان میں مبتلا کر دیتا ہے اور جب کسی بندے سے انتہائی شدید محبت فرماتا ہے تو اسے چن لیتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! بندے کے چننے کا مطلب کیا ہے؟ تو حضور نے فرمایا اللہ اس بندے کے لیے نہ اہل وعیال چھوڑتا نہ کسی قسم کا مال۔

(ب) حدیث میں ہے:

جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی آزمائش کرتا ہے، اگر وہ اس پر صبر کا دامن تھامے رہتا ہے تو اسے مقام ''اجتبا'' پر فائز کر دیتا ہے اور اگر اس پر بندہ راضی رہتا ہے تو اللہ اسے مقام ''اصطفا'' عطا فرما دیتا ہے۔

(ج) حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا:

مَیں کسی جنگل میں چل رہا تھا کہ ایک عورت نے مجھ سے ملاقات کی تو اس نے کہا تم کون ہو؟ مَیں نے کہا مَیں ایک اجنبی شخص ہوں، اس نے کہا کیا اللہ کی معیت میں بھی اجنبیت پائی جاتی ہے۔

(د) حضرت مطرف بن عبداللہ نے فرمایا:

اللہ کے کچھ بندے وہ ہیں جو اللہ سے اُنس پاتے ہیں اور یہ اپنی خلوتوں میں لوگوں کی کثرت کے مقابلے زیادہ اُنس حاصل کرنے والے ہوتے ہیں، لوگ جن چیزوں سے اُنس پاتے ہیں ان بندوں کو اس سے وحشت ہوتی ہے اور جن سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے ان سے ان کو انس حاصل ہوتا ہے۔

اُنس بارگاہ خداوندی میں حضوری اور سکون واطمینان پیدا کرتا ہے۔

دوسری علامت:

اللہ بندے کو اس کے عیوب ونقائص دکھائے۔

(الف) سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس کے نفس میں نصیحت کرنے والا اور اس کے دل میں زجر وتوبیخ کرنے والا ضمیر بنا دیتا ہے، جو اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دیتا ہے۔

(ب) امام علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

جس کے لیے اس کے نفس کی جانب سے کوئی نصیحت کرنے والا ہوا اس پر اللہ کی جانب سے نگہبان ہو گیا۔

(ج) سیدی ابن عطاء اللہ اسکندری نے فرمایا:

تیرا اپنے باطنی عیوب کو بہ نظر اصلاح دیکھنا ان اسرار وغیوب کو دیکھنے سے بہتر ہے جو تجھ پر مخفی ہیں، یعنی بندے کے لیے باطنی عیوب کی اصلاح کے واسطے کوشش کرنا، غیب کے لیے مراقبہ کرنے سے بہتر وافضل ہے۔

(د) کسی عارف باللہ کا قول ہے:

جب اللہ رب العزت بندے کو نافرمانی وگناہ کی ذلت ورسوائی سے اطاعت وفرماں برداری کی عزت کی طرف منتقل فرماتا ہے تو اسے تنہائی وخلوت کے ساتھ انس حاصل کرنے والا بنا دیتا ہے، قناعت کی دولت سے اسے مالا مال کر دیتا

ہے، اسے اس کے نفس کے عیوب و نقائص دکھا دیتا ہے اور جس کو یہ چیزیں عطا کر دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی خیر بخش دی گئی۔

تیسری علامت:

اللہ اپنے بندے کے ظاہر و باطن سر و عیاں کا نگہبان و متولی ہو جائے، اس کے معاملات کا مشیر و مدبر ہو جائے۔ اس کے اعضا و جوارح کو استعمال کرنے والا بن جائے پھر اسے اپنا مونس بنا کر اپنی معرفت عطا کر دیتا ہے اور اپنی بارگاہ عالی میں داخل فرما لیتا ہے۔ ظاہر کی صفائی و طہارت کے متعلق کہا گیا کہ ہر اس شے کو ترک کر دینا جو جوارح انسانی کو اللہ کی اطاعت و تابعداری سے منحرف کر دے اور باطن کی صفائی یہ ہے کہ ہر اس شے کو ترک کر دینا جو دل کو بارگاہِ الٰہی کی حضوری سے پھیر دے، ظاہر و باطن کی صفائی قلب و قالب کا اللہ وحدہ لاشریک کے لیے خالی کرنا ہے۔

اللہ کی ملاقات کے شوق میں وارد کچھ اخبار وآثار

امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری ''رسالہ قشیریہ'' میں شوق کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

راحت وآرام کے ساتھ موت سے محبت کرنا شوق ہے۔

ابن خفیف نے فرمایا وجد میں دلوں کا راحت پانا، محبوب کے قرب اور ملاقات کو پسند کرنے کو شوق کہتے ہیں۔ شوق محبت کا ثمرہ ہے کیوں کہ بندۂ مومن کے دل میں جب محبت حق تعالیٰ مستحکم ہوتی جاتی ہے تو یہ محبت اسے لقائے رب کے شوق اور اس کے ذکر سے شغف وانس کی جانب پہنچا دیتی، ہے چنانچہ مقام شوق، مقام محبت کا تابع ہے اور غلام کا شوق اپنے آقا کے دیدار، اس کے چہرۂ پر ضیا کے فیض اور اس کے کلام کو سن کر ہی پورا ہوتا ہے۔

اللہ کی ملاقات کے شوق کے سلسلے میں جو آیات واحادیث اور آثار صحابہ وتابعین وارد ہوئے ہیں ان میں بعض یہ ہیں۔

(۱) بعض اہل بصیرت اللہ کے کلام ''مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ '' (العنکبوت:۵) (جو اللہ سے ملاقات کی امید کرتا ہے تو اللہ کا وعدہ آنے والا ہے) کے متعلق فرماتے ہیں:

> جب اللہ نے دیکھا کہ اس کے اولیا اس سے ملاقات کا انتہائی شوق رکھتے ہیں اور ان کے دل بغیر دیدار کے سکون نہیں پائیں گے تو اللہ نے ان کے لیے اپنی ملاقات کی ایک مدت مقرر فرما دی تاکہ ان کے نفوس وقلوب مطمئن ہو جائیں۔ مطلق طور سے سب سے عمدہ لذت سے پُر زندگی انس حاصل کرنے والوں کی زندگی ہے، درحقیقت ان کی زندگی ایک پاکیزہ زندگی ہے ان کی زندگی سے پاکیزہ اور قابل مبارک زندگی کسی بندے کی نہیں۔

(۲) کسی اللہ والے سے فرمان باری تعالیٰ أَنَّهُ أَضْحَكَ وَأَبْكَى (النجم:۴۳) (وہ ہنساتا ہے اور رُلاتا ہے) کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ اللہ اپنی معرفت کے سرور سے عارفین کو ہنساتا ہے اور فرقت وہجر کے خوف سے انہیں رلاتا ہے، اپنی جدائی کی تلوار سے جسے چاہتا

ہے مارتا ہے اور اپنے وصال کی تر وتازگی سے جسے چاہتا ہے زندہ فرماتا ہے تاکہ تمام مخلوق جان لے کہ اس کی صفت **فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْد** ہے (یعنی جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔

(۳) رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **تُحۡفَةُ الۡمُؤۡمِنِ الۡمَوۡتُ** (مسند احمد، طبرانی، حاکم، عن ابن عمرو) کہ موت مومن کے لیے ایک تحفہ ہے، اس لیے کہ مومن رب کائنات کی ملاقات سے بے پایاں انعام اکرام کا مشاہدہ کرتا ہے۔

(۴) حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کس حال میں صبح کرتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص کس طرح صبح کرسکتا ہے جسے شام ہونے کی خواہش نہ ہو اور جب شام ہو جائے تو صبح ہونے کی آرزو اور تمنا نہ ہو اور اس کا شوق اپنے دل کی آرزو اور تمنا پانے کے لیے طویل ہو جائے۔

(۵) حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے دل اللہ کے شوق میں اس رفتار سے اڑتے ہیں کہ انہیں اچکنے والی بجلی بھی نہیں پاسکتی۔

(۶) حضرت ابو یزید کا قول ہے کہ صاحب عرفان کے دلوں کے لیے رات کی تاریکی میں ایسی شراب ہوتی ہے جس سے ان کے دل خدا کی محبت وشوق میں پرواز کرتے ہیں، پھر وہ محبوب کے علاوہ غیر کو نہیں دیکھتے ہیں اور دنیا وآخرت کی صدق وصفا کو حاصل کر لیتے ہیں۔

(۷) یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اے میرے معبود! میرے قلب میں سب سے میٹھا عطیہ تیری امید ورجا ہے، میری زبان کے لیے سب سے شیریں کلام تیری ثنا ہے، میرے نزدیک سب سے محبوب وپسندیدہ گھڑی وہ ہے جس میں تجھ سے ملاقات ہو۔

(۸) کسی نیک شخص نے فرمایا کہ محبّ کے لیے محبوب کی لقا سے زیادہ عزیز وپسندیدہ چیز کوئی نہیں اگر وہ اوقات ومدتیں نہ ہوتیں جن کو پروردگار عالم نے مشتاقین کے واسطے مقرر ومتعین فرما دیا ہے تو ان کی ارواح شدت اشتیاق کے سبب ان کے جسموں میں مر جاتی ہیں۔

(۹) کسی اللہ والے کا قول ہے کہ دیدار پروردگار کا شوق رکھنے والے موت کے وقت حلاوت و چاشنی محسوس کرتے ہیں، اس لیے کہ ان پر وصال کی لذت وتازگی منکشف ہو جاتی ہے جو شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔

(۱۰) حدیث پاک میں ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے داؤد! مجھ سے منہ موڑنے والے اگر جان لیتے کہ مَیں کس طرح ان کا منتظر ہوں اور اپنے اوپر میری نرمی ومہربانی سے واقف ہوتے اور اگر ان کو اس کا علم ہوتا کہ مَیں ان کے ترک معاصی کا کتنا مشتاق ہوں تو وہ میرے شوق میں مر جاتے اور میری محبت کی وجہ سے ان کے اجزا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ اے داؤد! میری یہ ارادت ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مجھ سے منہ موڑتے ہیں تو میری ارادت کا عالم ان لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا جو میری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اے داؤد! سب سے محتاج وفقیر وہ بندہ ہے جس سے مَیں بے پرواہ ہو جاؤں اور میرے رحم کا سب سے زیادہ مستحق میرا وہ بندہ ہے جو میرے متعلق غور وفکر کرے اور میرے نزدیک سب سے معزز ومکرم وہ بندہ ہے جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔

(۱۱) حضرت ابوالدردا نے حضرت کعب رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مجھے توریت کی کسی خاص آیت کے متعلق بتایئے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میری لقا کے لیے نیک لوگوں کا اشتیاق دراز ہو گیا اور بے شک مَیں ان کی ملاقات کا ان سے زیادہ مشتاق ہوں، حضرت کعب نے کہا اور تورات میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ''اللہ نے فرمایا جس نے مجھے طلب کیا اس نے مجھے پالیا اور جس نے میرے علاوہ کسی اور کی طلب وجستجو کی اس نے مجھے نہیں پایا''، حضرت ابوالدردا نے فرمایا ''مَیں گواہی دیتا ہوں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی کے مثل فرماتے سنا''۔

(۱۲) حضرت ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمہ دیدار الٰہی کے مشتاقوں میں سے ہیں، آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن (پروردگار عالم کی بارگاہ میں) عرض کیا:

اے میرے رب! اگر تو نے اپنی ملاقات سے پہلے کسی محبت کرنے والے کو وہ

چیز عطا کی ہو جس سے اس کے دل کو سکون و اطمینان حاصل ہو جائے تو وہ چیز مجھے بھی عطا فرما کیوں کہ قلق و بے چینی نے مجھے بہت ضرر اور نقصان پہنچایا۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کہتے ہیں کہ مَیں نے خواب میں دیکھا گویا کہ اللہ نے مجھے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا اے ابراہیم! کیا تمہیں مجھ سے یہ سوال کرتے ہوئے شرم نہیں آئی کہ مَیں تمہارے دل کو اپنی لقا سے پہلے اطمینان وسکون عطا کر دوں؟ کیا کسی مشتاق کا دل اپنے محبوب کی ملاقات سے پہلے پرسکون ہوتا ہے؟ تو مَیں نے عرض کیا اے رب! مَیں تیری محبت میں مدہوش ہو گیا مجھے نہیں معلوم کہ مَیں کیا کہہ رہا ہوں؟ تو مجھے معاف کر دے اور مجھے مدعی عرض کرنے کا سلیقہ سکھا دے، تو رب بے نیاز نے فرمایا ''تم یہ کہو کہ اے اللہ! تو مجھے اپنے فیصلوں پر راضی فرما اور اپنی آزمائشوں پر مجھے صبر عطا کر اور اپنی نعمتوں پر مجھے شکر گزاری کی توفیق عطا کر''۔

اے برادر مومن! ہم نے دیکھا کہ محبت کرنے والے کی خوشی، انبساط، اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کی آرزوؤں کی انتہا یہ صرف اور صرف اپنے محبّ سے ملاقات کا شوق اور اس کے دیدار کی تڑپ ہے، اسی سے اس کا دل خوشی پاتا ہے، اس کی روح مطمئن ہوتی اور اس کے شوق کی آگ سرد ہوتی ہے۔

بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کی علامات

امام غزالی علیہ الرحمہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''احیاء العلوم'' میں فرماتے ہیں:

بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اور اس کا پھل دل، زبان اور اعضا پر ظاہر ہوتا ہے۔

محبت کی نشانیاں درج ذیل ہیں:

محبت کی پہلی علامت:

محبت کی پہلی علامت یہ ہے کہ محبّ محبوب سے ملاقات چاہے۔

(الف) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، موطا)

(ب) حضرت سفیان ثوری اور حضرت بشر حافی علیہما الرحمہ فرماتے ہیں:

موت کو صرف شک و شبہ میں گرفتار شخص ہی ناپسند کرتا ہے، اس لیے کہ محبّ کسی بھی حال میں محبوب کی ملاقات کو ناپسند نہیں کرتا۔

(ج) امام وکیع نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے باب الزہد میں روایت کیا:

ایمان والے کو بغیر اپنے رب کی ملاقات کے راحت و آرام میسر نہیں ہوتا ہے۔

محبت کی دوسری علامت:

محبت کی دوسری علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ کے ذکر سے انتہائی شغف رکھے، ذکر الٰہی کبھی اس سے جدا نہ ہو، اس لیے کہ جو کسی بھی چیز سے محبت کرتا ہے کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے اور محبّ ہر اس چیز سے محبت کرتا ہے جس کا تعلق محبوب سے ہو۔ لہٰذا اللہ سے محبت کی علامت بندے کا اس کے ذکر سے محبت کرنا، اس کے کلام کی تلاوت سے شغف رکھنا، اس کے محبّین انبیائے کرام و

اولیائے عظام سے الفت ومحبت کرنا اور ہر اس چیز کو عزیز رکھنا جو محبوب سے منسوب ہو۔

(الف) اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے:

مَیں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے لب میرے ذکر میں جنبش کرتے ہیں۔

(ب) حضرت علی کرم اللہ وجہہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب وہ اللہ کا ذکر کرتے تھے تو ایسے لرزتے کانپتے تھے جیسے درخت تیز ہوا میں لہراتا ہے۔

(ج) حضرت ابو جعفر محولی فرماتے ہیں:

محبّ کا دل کبھی اپنے رب کے ذکر سے خالی نہیں ہوتا ہے اور وہ کبھی اپنے آقا کی خدمت سے ملول ورنجیدہ نہیں ہوتا ہے۔

(د) تلاوت کلام اللہ محبت کی علامت ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ بندے کو اللہ کا قرب اس کے مثل حاصل ہوتا ہے جو اس سے نکلتا ہے یعنی قرآن، (یعنی جو بندہ اللہ سے جس قدر محبت کرتا ہے اسی قدر اس کے کلام عظیم کی تلاوت میں مشغول رہتا ہے)۔

محبت کرنے والوں کے نزدیک محبوب کے کلام سے میٹھی کوئی چیز نہیں ہے کیوں کہ یہ دل کی لذت اور روح کا سرور ہے۔

(ھ) کسی عارف باللہ نے مرید سے کہا کہ کیا تجھے قرآن یاد ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، تو آپ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کیا حال ہے ایسے مرید کا جو قرآن یاد نہیں کرتا ہے، وہ کس چیز سے بہجت وسرور پائے گا؟ کیا چیز گنگنائے گا؟ کس چیز کے ذریعے اپنے رب سے سرگوشی کرے گا؟

(و) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمہارے دل پاک ہوتے تو تم اپنے رب کے کلام سے سیر نہیں ہوتے۔

(ز) بندے کی اللہ سے محبت کرنے کی علامت رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا اور آپ کے طریقے کی اتباع کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے حبیب! آپ فرما دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اللہ بخشش کرنے والا رحیم ہے۔ (آل عمران:۳۱)

محبت کی تیسری علامت:

باری تعالیٰ سے محبت کی تیسری علامت یہ ہے کہ بندہ خلوت و تنہائی اور اس سے دعا و مناجات میں رب سے اُنس حاصل کرے، تلاوت قرآن کریم سے راتوں کو معمور کرے اور بندہ اپنے باطن کو اللہ سے مناجات اور اس سے فہم و فراست کے حصول میں مشغول رکھے اور اسی علامت و کیفیت کے متعلق حضرت سیدہ رابعہ عدویہ رحمہا اللہ فرماتی ہیں:

وَلَقَدُ جَعَلُتُکَ فِی الْفُوَادِ مَجَالِسِیُ   وَاَبَحُتُ جِسُمِی مَنُ اَرَادَ جُلُوُسِیُ

فَالُجِسُمُ مِنِّی لِلُجَلِیُسِ مُوَانِسٌ   وَحَبِیُبُ قَلُبِیُ فِی الفُوَأَدِ اَنِیُسِی

ترجمہ: (اے محبوب حقیقی) تجھے دل میں مَیں نے اپنا ہم نشیں بنا لیا ہے اور مَیں نے اپنا جسم ان لوگوں کے لیے رکھ چھوڑا ہے جو میری ہم نشینی چاہتے ہیں، لہٰذا میرا جسم ساتھ بیٹھنے والے سے مانوس ہے اور میرے دل کا محبوب دل میں انیس بن کر بیٹھا ہے۔

لہٰذا روح، دل اور باطن محبوب کی ہم نشینی سے مانوس ہوتا ہے اور ظاہراً جسم دیگر لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔

(الف) ایک صالح بزرگ شخص کا قول ہے جب مرید عزلت اور گوشہ نشینی کو ترجیح دے تو اسے مخلوق سے جدائی و علیحدگی پر یہ اعتقاد و یقین رکھنا چاہیے کہ لوگ اس کے شر سے سلامت رہیں گے وہ یہ قصد نہ کرے کہ وہ لوگوں کے شر سے محفوظ و مامون رہے گا۔

(ب) حضرت ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ مرید سچا اس وقت مانا جائے گا جب کہ وہ اپنی خلوت و تنہائی میں وہ حلاوت و چاشنی، فرحت و نشاط اور قوت و طاقت پائے جو اسے اپنی جلوت اور لوگوں

کی ہم نشینی میں میسر نہ ہو، یہاں تک کہ وہ تنہائی و گوشہ نشینی میں زیادہ اُنس حاصل کرے، پوشیدہ طور پر نیک عمل کرے۔

(ج) کسی عارف باللہ کا قول ہے کہ خلوت اہل صفا کی صفت ہے اور سب سے علیحدگی وصال یار کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

(د) یحییٰ بن معاذ نے فرمایا کہ خلوت وتنہائی دو دوستوں کی ہم نشین ہے۔

(ھ) حدیث میں وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا پھر فرمایا:

> (اے میرے بندو!) تم مجھ سے سرگوشی کرو، اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو میری جانب دیکھو، اگر تم اس کی طاقت وقوت نہیں رکھتے تو میرے کلام کو سنو، اگر تمہارے لیے یہ بھی ممکن نہیں تو میرے در پر آؤ اگر تم اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے تو اپنی ضرورتیں میرے سامنے پیش کرو۔

(و) کسی عارف کامل کا قول ہے کہ عبادت ایک پیشہ ہے جس کی دوکان تنہائی اور آلہ بھوک ہے۔

محبت کی چوتھی علامت:

محبت الٰہی کی چوتھی نشانی یہ ہے کہ بندہ کسی فوت شدہ چیز پر افسوس وحسرت نہ کرے اور ہر وہ لمحہ جو اللہ کے ذکر، اس کی اطاعت وفرماں برداری، نیز اس کے قرب سے خالی ہو اس پر غایت درجہ افسوس و پشیمان ہو، غفلتوں کے وقت حق تبارک وتعالیٰ سے لطف وکرم اور توبہ طلب کرتے ہوئے بار بار رب تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرے۔

(الف) کسی عارف باللہ کا قول ہے کہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جنہوں نے اللہ سے محبت کی، اس سے سکون وطمانیت حاصل کی، تو ان سے تلف شدہ چیز پر افسوس و پشیمانی جاتی رہی اور وہ نفسانی لذتوں میں مشغول نہیں ہوئے اور جب ان پر بادشاہ کی ملکیت تام ہوگئی تو جو اس نے چاہا وہی ہوا تو جو چیز ان بندوں کو عطا ہوئی ہوئی وہ ان تک پہنچنے والی تھی اور جو ان سے فوت ہوگئی تو یہ اسی بادشاہ کی حسن تدبیر سے ان کے لیے ہوا۔

(ب) دل کے مردہ اور بے جان ہونے کی علامت یہ ہے کہ طاعات کے فوت ہونے پر تجھے غم نہ ہو، گناہوں کے ارتکاب کے بعد تجھے ندامت وشرمندگی نہ ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

جس کو اپنی نیکی سے خوشی و مسرت ہو اور اپنے گناہ اسے برے لگیں تو وہ صاحب ایمان ہے۔ (طبرانی و ابن حبان عن ابی امامہ)

(ج) حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تو کاہلی و سستی اور ٹال مٹول کرنے سے اپنے آپ کو بچا کیوں کہ آج تیرا اپنا ہے تو تو کل بھی آج کی مانند ٹال مٹول کرے گا اور اگر آنے والا کل تیرا نہیں ہے تو آج جو تو نے گناہ کیے ہیں ان پر شرمندگی و ندامت کا منھ دیکھے گا۔

محبت کی پانچویں علامت:

محبت پروردگار کی پانچویں نشانی یہ ہے کہ بندہ اطاعت و تابعداری سے راحت حاصل کرے اور اسے بوجھ و تاوان نہ شمار کرے، اس طریقے سے طاعات کی تعمیل میں تھکن و مشقت کا احساس جاتا رہے بلکہ ان مشقتوں اور تکلیفوں میں اسے لذت حاصل ہو۔

(الف) ایک اللہ والے کا قول ہے کہ مَیں نے بیس سال تک رات میں تکالیف و مشقتیں برداشت کیں پھر بیس سال تک نعمتوں کی لذت حاصل کی، لہٰذا جس کا محبوب اس کے نزدیک تساہل اور سستی سے زیادہ پسندیدہ ہے اس نے اس کی تابعداری و فرماں برداری میں تساہل اور سستی کو ترک کر دیا اور جس کا محبّ اس کے نزدیک مال سے زیادہ محبوب ہے اس نے اس کی محبت میں مال کو چھوڑ دیا۔

(ب) رسول اکرم ﷺ نے اپنے کسی صحابی سے ارشاد فرمایا:

رات میں زیادہ مت سو، کیوں کہ رات میں نیند کی کثرت نیند والے کو بروز قیامت فقیر اور تہی دست بنا کر چھوڑے گی۔

رسول اللہ ﷺ بلند و بالا ارادہ و ہمت کے باوجود اطاعتوں پر سستی و کاہلی سے خدائے برتر کی پناہ طلب کرتے تھے۔

(ج) حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی:

اے پیارے بیٹے! ہرگز مرغ دانائی اور سمجھ داری میں تجھ سے سبقت نہ لے جائے، وہ علی الصباح ندا کرے اور تو سوتا رہے۔

(د) حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے کسی مرید نے آپ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ ''اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟'' تو آپ نے جواب دیا:

> ''اشارات پادر ہوا ہو گئے، عبارات غائب ہو گئیں، علوم وفنون رائیگاں چلے گئے، لکھا ہوا ضائع ہو گیا مجھے صرف ان چند رکعتوں نے فائدہ پہنچایا جو رات کی تاریکیوں میں پڑھا کرتا تھا''۔

یہ سابقہ تمام بیان کردہ چیزیں اس قبیل سے ہیں کہ کاہلی وسستی کو چھوڑ کر حق تبارک وتعالیٰ کی راہ میں خدمت واطاعت کا فرش بچھایا جائے کیوں کہ عبادات وطاعات کے ذریعے لذت وفرحت حاصل کرنا مومن کی علامت ہے اور اطاعت کو بوجھ وتاوان سمجھنا منافق کی علامت ہے (العیاذ باللہ)

محبت کی چھٹی علامت:

بندے کی معبود سے محبت کی چھٹی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ کے تمام بندوں پر شفقت ومہربانی کرنے والا ہو، دشمنان خدا اور رسول پر سخت ہو اور ہر اس شخص پر سخت ہو جو حدود اللہ کی خلاف ورزی کرتا ہے، جیسا کہ اللہ نے اہل ایمان کے بارے میں فرمایا:

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ. (الفتح:۲۹)

ترجمہ: اہل ایمان کفار پر انتہائی سخت ہیں اور آپس میں بہت مشفق ومہربان ہیں۔

محبت کی اس علامت کے سلسلے میں بعض آثار واخبار پیش خدمت ہیں۔

(الف) حضرت لقمان نے اپنے نور نظر کو چار نصیحتیں فرمائیں، ان نصائح کو آپ نے اپنی حکمتوں میں سے منتخب کیا، آپ نے فرمایا:

> اے بیٹے! تو دو چیزوں کو یاد رکھ اور دو چیزوں کو بھول جا۔ وہ دو چیزیں جنھیں آپ نے یاد رکھنے کی وصیت فرمائی وہ گناہ اور موت ہے، اور وہ دو چیزیں جنھیں آپ نے اپنے بیٹے کو بھول جانے کی وصیت کی ان میں سے ایک وہ احسان ہے جو ان کے صاحبزادے نے لوگوں پر کیا، دوسری وہ برائی جو لوگوں نے ان

کے بیٹے کے ساتھ کی۔

(ب) سیدنا یوسف علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے دریافت کیا:

آپ کیوں بھوک کی مشقت برداشت کرتے ہیں حالانکہ آپ کے ہاتھوں میں زمین کے خزانے ہیں آپ نے فرمایا اس بات کا خوف کرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مَیں شکم سیر ہو کر کسی بھوکے کو فراموش کر دوں۔

(ج) رسول اللہ ﷺ نے حقوق المسلمین کے احترام اور احسان کی تاکید بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تم باہم حسد نہ کرو ایک دوسرے سے بغض و کینہ نہ رکھو۔ ایک دوسرے کی جڑ نہ کاٹو، تم میں سے کوئی دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ نہ کرے۔ اے اللہ کے بندو! تم بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا وہ کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے، اسے ذلیل و رسوا نہ کرے، اسے جھوٹا اور حقیر نہ سمجھے۔ آپ ﷺ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کیا کہ تقویٰ یہاں ہے اور فرمایا آدمی کے لیے از روئے شر و فساد یہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون اس کا مال اس کی عزت و آبرو حرام ہے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، مسند احمد)

(د) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو تم سے اللہ کے وسیلے سے پناہ طلب کرے اسے پناہ دے دو، جو تم سے اللہ کے نام سے مانگے اسے عطا کر دو، جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اسے بدلہ دو اور اگر تم اس کا بدلہ نہ پاؤ تو اس کے لیے دعا کرو۔ (ابوداؤد، ابن حبان)

محبت کی ساتویں علامت:

بندے کی رب کائنات سے محبت کی ساتویں علامت و نشانی یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے خوف کرے، اس کی ہیبت اور تعظیم کا خیال اپنے اوپر طاری رکھے اور دن رات اپنے محبوب کی طلب میں گزارے، امام غزالی اس خوف کی تعریف کے ضمن میں فرماتے ہیں:

خوف نام ہے صفات الوہیت کے مطالعے کا اور صفات کے تعلق کو ملاحظہ کرنے

کو خوف کہتے ہیں کہ بغیر کسی ذریعے اور عمل سابق کے مقرب بنا دیتا ہے، یا راندۂ درگاہ کر دیتا ہے، خوش بخت بنا دیتا ہے یا بدنصیب کرتا ہے۔ جب کہ بسط نام ہے انشراح صدر کا اور جذبۂ وصال کے ذریعے راہ ہدایت کا اس کے لیے کھل جانے کا۔

کسی صاحب نظر کا ارشاد عالی ہے کہ بندے پر دو حالتیں طاری ہوتی ہیں:

(۱) گھبراہٹ میں ڈالنے والا خوف (۲) بے چین و بے قرار کرنے والا شوق۔

صاحب 'الارشاد' اپنی کتاب میں سلوک کے ان مراحل کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں جن پر بندہ چلتا ہے کہ:

جب بندہ اللہ رب العزت پر ایمان لاتا ہے اور اس کا ایمان مستحکم ہو جاتا ہے تو اسے خوف خدا لاحق ہوتا ہے اور جب وہ خدائے برتر سے ڈرنے لگتا ہے تو اس خوف سے ہیبت پروردگار پیدا ہوتی ہے اور جب ہیبت کا جوش و غلبہ سکون اختیار کرتا ہے تو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری میں دوام پیدا ہوتا ہے اور جب وہ اللہ کی فرماں برداری کرنے لگتا ہے تو اس اطاعت وتابعداری سے امید جنم لیتی ہے اور جب امید کا درجہ و مرتبہ دل میں قائم ہو جاتا ہے تو اس امید سے محبت پیدا ہوتی ہے اور جب دل میں محبت مستحکم ہو جاتی ہے تو بندے کے دل میں مقام شوق متمکن ہوتا ہے اور جب اشتیاق اسے لاحق ہوتا ہے تو یہی شوق و اشتیاق اسے اللہ سے حصول انس کی طرف لے جاتا ہے اور جب اسے ذات باری تعالیٰ سے انس حاصل ہونے لگتا ہے تو اسے اللہ کی بارگاہ کی طرف اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے اور جب رب سے اس بندے کو اطمینان کی دولت نصیب ہو جاتی ہے تو اس کا دن بھی عیش وعشرت میں گزرتا ہے رات بھی آسودہ حالی میں بسر ہوتی ہے، ظاہر و باطن عیاں ونہاں سب ناز ونعم میں گزرتے ہیں۔

محبت کی آٹھویں علامت:

محبت الٰہی کی آٹھویں علامت یہ ہے کہ وہ شخص محبت میں مخلص ہو اور اس محبت کو خانۂ دل میں

چھپا کے رکھے، دعویٔ محبت سے بچتا رہے۔

(الف) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ. (الحجرات:۱۴)

ترجمہ: اہل بادیہ نے کہا ہم ایمان لے آئے (اے رسول) آپ فرما دیجیے تم ایمان نہیں لائے ہو لیکن کہو ہم اسلام لے آئے ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ عالم الغیب کی جانب سے ہر اس شخص کی فضیحت و رسوائی ہے جو بغیر حصول محبت کے محبت کا دعویٰ کرے، اس لیے کہ ایمان تو صرف **الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللہ** (اللہ کے لیے کسی سے محبت کرنے اور اللہ ہی کے لیے کسی سے بغض رکھنے) کا نام ہے۔

(ب) اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا. (الجمعہ:۶)

ترجمہ: (اے رسول) فرما دیجیے کہ اے یہودیو! اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم اللہ کے دوست ہو اور دیگر لوگ نہیں، تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو اور وہ (یہودی) ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے۔

اس آیت کریمہ میں حق تبارک وتعالیٰ ان یہودیوں کے دلوں میں چھپی ہوئی خباثتوں کو ظاہر فرما رہا ہے جو محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے ہیں اللہ ان سے فرماتا ہے اگر تمہیں دعویٔ محبت ہے تو اس ذات سے ملاقات کی آرزو کرو جس کی محبت کا تم دعویٰ کرتے ہو کیوں کہ ہر محبت کرنے والا اپنے محبوب کے لیے سختیاں برداشت کرتا ہے اور اس سے ملاقات کی راہ میں ہولناکیوں اور ہلاکتوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے اور اللہ سے ملاقات بغیر موت کے ہو نہیں سکتی تو یہود پر لازم ہے کہ اپنے جسموں کے فنا ہونے کی آرزو کریں اور اپنی خواہشات کے جدا ہونے کی تمنا کریں تاکہ اس فکر کی تصدیق ہو سکے جس کا یہ دعویٰ کرتے ہیں۔

(ج) سیدی ابن عربی محبت کی صداقت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

محبت فقط دعویٰ زبانی اور خیالی تصور نہیں بلکہ محبت کے لیے کچھ شرطیں اور علامتیں ہوا کرتی ہیں، لہٰذا محبت محبّ سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ محبت کرنے والے کے کان سوائے کلام محبوب کے ہر کسی کے کلام سے بہرے ہو جائیں۔ محبّ کی آنکھیں چہرۂ محبوب کے علاوہ ہر منظر کے لیے اندھی ہو جائیں، محبّ کی زبان ذکر محبوب کے سوا ہر کلام سے گونگی ہو جائے، لہٰذا محبت کرنے والا محبوب کو سنے اور محبوب کے لیے سنے، محبوب کو دیکھے اور اس کے لیے دیکھے، محبوب سے کلام کرے اور اس کے لیے کلام کرے۔

محبت کی نویں علامت:

اللہ جل شانہ سے محبت کی نویں علامت یہ ہے کہ بندے کو ذات پروردگار سے انس حاصل ہو اور اس کی رضا میں راضی ہو اور مخلوق سے وحشت ہو۔

(الف) انس کے متعلق کہا گیا ہے کہ بندہ رب بے نیاز سے کیفیت انس پائے اور اس ذات عالی کے ماسوا عوارض بدنیہ، قلبی خطرات و مشاغل سے وحشت زدہ رہے۔

(ب) حضرت شعبی سے اُنس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ انس یہ ہے کہ تو اپنی ذات اپنے نفس اور کائنات سے وحشت کرنے لگے۔

(ج) روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کے گروہ سے دریافت فرمایا:

(اے صحابہ) تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا "ہم صاحب ایمان ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا "ہم آزمائشوں اور مصائب و آلام پر صبر کرتے ہیں اور آسانیوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور قضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں"، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "رب کعبہ کی قسم تم حقیقتاً ایمان والے ہو"۔ (حلیۃ الاولیا لابی نعیم، کتاب الزہد بیہقی، تاریخ بغداد خطیب)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

بروز قیامت سب سے پہلے جن حضرات کو جنت کی طرف بلایا جائے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہوں گے۔

اَللّٰهُمَّ رَضِّنَا بِمَا قَضَيْتَ لَنَا وَعَافِنَا بِمَا اَبْقَيْتَ لَنَا حَتّٰى لَانُحِبَّ تَعْجِيْلَ مَا أَخَّرْتَ وَلَا تَأْخِيْرَ مَا عَجَّلْتَ.

ترجمہ: اے اللہ! تو ہمیں اپنی قضا وقدر پر راضی رکھ اور جو تو نے ہمارے نصیب میں رکھا ہے اس پر ہمیں عافیت عطا فرما یہاں تک کہ ہم تیری تاخیر کردہ چیز میں عجلت اور جلدی نہ چاہیں اور تیری جلد پہنچنے والی چیز میں تاخیر طلب نہ کریں۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے ثمرات

جنت میں اپنے رب کی معرفت رکھنے والے کامل مومنین جو سب سے عظیم و برتر کرامت و عزت پائیں گے وہ باری تعالیٰ کا دیدار پُرنور ہے اور یہ دیدار الٰہی وہ لذت ہے کہ کوئی لذت اس کے مساوی و برابر نہیں، دیدار رب وہ عظیم نعمت ہے جس کے مقابل ہر امید ہیچ ہے، اللہ تعالیٰ اسی نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ. (القیامہ:۲۲،۲۳)

ترجمہ: بہت سے چہرے روزِ محشر تروتازہ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے چہروں کی تروتازگی کو اپنے وجہ کریم کے دیدار سے متصل بیان کیا کیوں کہ جب مسلمان جنت کی نعمتوں، اس کے گل و ریحان کے دیدار میں مشغول ہوں گے تو دفعۃً ان کا رب بے نیاز اپنی تجلی فرمائے گا اور ان سے ان کے احوال وکوائف دریافت فرمائے گا تو مومن بندے اس کی حمد وثنا اور اس کی پاکی بیان کر کے عرض کریں گے کہ اے اللہ! تو نے ہی ہمارے چہروں کو روشن ومنور کیا اور ہمیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے وجہ کریم سے (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) حجابات اٹھائے گا اور اپنے نورانی حسن و جمال کی تجلی ان پر فرمائے گا تو ان بندوں کی نظریں خیرہ ہو جائیں گی اور اس عظیم تر جمال بے نظیر کے انوار وتجلیات میں ان کی روحیں حیران وششدر رہ جائیں گی اور وہ مومن بندے پروردگار کے دیدار پرانوار کی لذت کے سامنے ہر لذت وسرور بھول جائیں گے اور اسی نعمت دیدار کے متعلق حق تعالیٰ اپنی پاک کتاب قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ. (یونس:۲۶)

ترجمہ: جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے نیکی اور بھلائی ہے اور اس کے علاوہ مزید بھی ہے۔

''زیادہ'' سے مراد رب کا دیدار ہے جیسا کہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ''زیادہ'' سے مراد جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار کرنا ہے۔

حضرت جریر نے روایت کیا ہے:

ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی جانب نگاہ اُٹھائی اور فرمایا یقیناً تم اپنے رب کو اس طرح واضح اور ظاہر دیکھو گے جیسا کہ تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو اور اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔

اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم، ترمذی اور ابوداؤد نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔

ابن قیم جوزیہ رؤیت باری کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

جاننا چاہیے کہ آخرت کی سب سے عظیم تر لذت و نعمت رب بے نیاز کا دیدار کرنا، اس کے کلام مبارک کو سننا اور اس کا قرب ہے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اللہ نے مومن بندوں کو دیدار الٰہی سے زیادہ کوئی محبوب و پسندیدہ چیز عطا نہیں کی اور ایک دوسری حدیث میں مروی ہے کہ جب رب تعالیٰ تجلی فرمائے گا تو جنتی جنت کی ہر نعمت کو بھول جائیں گے۔

نسائی اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی دُعا میں عرض کرتے تھے:

وَأَسْأَلُکَ اللّٰھُمَّ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ.

ترجمہ: اے اللہ! مَیں تجھ سے تیرے وجہ کریم کے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کا شوق طلب کرتا ہوں۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل کی ''کتاب السنۃ'' میں مرفوعاً مروی ہے کہ:

لوگوں نے براہِ راست اللہ رب العزت سے قرآن کریم نہیں سنا لیکن قیامت کے دن جب وہ براہِ راست پروردگار عالم سے قرآن عظیم کو سماعت کریں گے تو انہیں محسوس ہوگا گویا کہ اس سے پہلے انہوں نے قرآن کریم سنا ہی نہیں۔

علی الاطلاق دنیا کی عظیم تر اور سب سے پاکیزہ لذت اللہ کی معرفت اور اس کی محبت ہے اور جنت میں سب سے عمدہ وجید لذت دیدارِ رب کائنات ہے، لہٰذا اللہ کی محبت ومعرفت اور اس کے مشاہدات میں مستغرق ہونا آنکھوں کی ٹھنڈک، روحوں کی لذت اور دلوں کا سرور ہے۔

عارف باللہ حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں:

دنیا ذکر اللہ کی وجہ سے اچھی ہے اور آخرت خدائے برتر کے عفو ودرگذر کرنے کے سبب ہی بہتر ہے اور جنت دیدار الٰہی کے باعث ہی قابل دید ہے۔

امام ابن ماجہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

جنتی جنت کی لذتوں میں مشغول ہوں گے کہ ناگاہ ایک نور ان کے لیے ظاہر ہوگا جب وہ اپنے سروں کو اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں نظر آئے گا کہ رب بے نیاز ان پر تجلی فرمائے ہوئے ہے اور حق تعالیٰ کلام فرما رہا ہے کہ اے جنتیو! تم پر سلامتی ہو اور یہ اللہ کا وہی کلام ہے جو قرآن عظیم میں نازل ہوا کہ **سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ** پس اہل جنت جس وقت دیدارِ الٰہی میں مشغول ہوں گے تو جنت کی کسی نعمت کی طرف التفات نہیں کریں گے تاوقتیکہ پروردگار عالم ان سے حجاب فرمالے۔

ایک طویل حدیث میں وارد ہوا ہے جس کو جلیل القدر صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

جنت میں جمعے کے دن کا نام ''یوم المزید'' رکھا ہے کیوں کہ اس دن اللہ جل شانہ اپنے وجہ کریم سے نقاب اٹھائے گا اور جنتی اس کے جمال کو دیکھیں گے، لہٰذا رؤیت باری تعالیٰ ہی ''زیادہ'' ہے یعنی قرآن کریم میں **للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ** میں زیادہ سے مراد دیدار رب ہے۔

رؤیت باری تعالیٰ بروز قیامت ماتھے کی آنکھوں سے ہوگی لیکن اس کی کوئی کیفیت وحد بیان نہیں کی گئی ہے۔ حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا گیا کہ ''کیا آپ نے اپنے پروردگار کا دیدار کیا ہے؟'' تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا ''مَیں اس کی عبادت کس طرح کرسکتا ہوں جس کا

دیدار نہ کروں''، تو لوگوں نے عرض کیا کہ'' آپ دیدارِ الٰہی کی کیفیت بیان کیجیے'' تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اگر چہ ظاہری آنکھیں اس ذات پُر انوار کو کھلم کھلا نہیں دیکھتیں مگر یقیناً دل اس رب بے نیاز کو ایمان کی حقیقت سے دیکھتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ والرضوان سے دریافت کیا گیا کہ اے ابوالقاسم! جس وقت تم اپنے رب کی عبادت کرتے ہو تو کیا اسے دیکھتے ہو یا فقط دل سے وصول الٰہی کا یقین رکھتے ہو؟ تو حضرت جنید بغدادی نے فرمایا اے سائل! ہم اس رب کی عبادت و پرستش نہیں کرتے جس کا دیدار نہ کریں اور ہم اس ذات کی بھی عبادت نہیں کرتے جس کو آنکھیں دیکھیں پھر ہم اسے کس شے سے تشبیہ دیں اور نہ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس سے جاہل ہوں اور جہالت کی بنا پر اس کی تنزیہ بیان کریں، تو سائل نے آپ سے عرض کیا تو آپ کس طرح اپنے رب کا دیدار کرتے ہیں؟ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ'' دیکھنے کی کیفیت انسان کے متعلق تو معلوم ہے لیکن رب کائنات کو دیکھنے کی کیفیت مجہول ہے، آنکھیں اسے دنیوی گھر میں ظاہراً ہرگز نہیں دیکھ سکتیں بلکہ دل ایمان کی حقیقتوں کے ذریعے رب کو پہچانتے ہیں پھر نور امتنان کے مشاہدے کے ذریعے معرفت سے رؤیت کی جانب ترقی کرتے ہیں''۔

کسی اہل اللہ کا قول ہے کہ محبت کرنے والوں کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں اور مشتاقوں کی روحیں اللہ کے دیدار سے سکون پاتی ہیں۔

اے اللہ! قرب کے بعد تیری دوری سے ہم پناہ طلب کرتے ہیں، شہود کے بعد تیرے حجاب سے، روشنی کے بعد ظلمت سے ہم تیری پناہ طلب کرتے ہیں، اے اللہ! تو ہمیں اور ہمارے مشائخ واحباب کو اپنی معرفت ومشاہدے اور اپنے وجہ کریم کا دیدار عطا فرما۔ آمین۔

☆☆☆

شیخ جلال الدین رومی کی دعوت محبت

بلاشبہ محبت کڑوے کو میٹھا، مٹی کو سونا، کدورت وگندگی کو صاف وشفاف، درد والم کو صحت وشفا، قید خانے کو جنتی کیاری، بیماری کو نعمت اور قہر وغضب کو رحمت بنانے والی شئے ہے۔ یہ محبت ہی ہے جو لوہے کو نرم کر دیتی ہے اور پتھر کو پگھلنے پر مجبور کر دیتی ہے، مردہ جسم کو اٹھا کر اس میں زندگی کی روح پھونک دیتی ہے۔ یہ محبت ایسی شے ہے جس کے ذریعے مادی وثقیل انسان فضاؤں میں اڑتا ہے اور زمین کی پستیوں سے آسمان کی وسعتوں میں پہنچ جاتا ہے۔ جب یہ محبت مضبوط پہاڑوں میں سرایت کرتی ہے تو پہاڑ بھی لرزنے لگتے اور وجد وسرور کی مستی میں رقص کرنے لگتے ہیں۔
خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا. (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: تو جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ لرز گیا، اور (حضرت) موسی بے ہوش ہو کر گر گئے۔

محبت ایسی بے نیاز ومستغنی شئے ہے جو حکمران وشہنشاہان وقت کی بھی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتی، جس نے ایک مرتبہ محبت کی چاشنی چکھ لی پھر اس کے بعد اسے کسی شراب کی ضرورت نہیں ہوتی، صوفی شاعر سیدی جلال الدین رومی محبت کے متعلق فرماتے ہیں:

محبت سارے عالم سے بے نیاز ہوتی ہے اگر محبوب سے شغف رکھنا اور اس کے ماسوا کو (دل سے) نکالنے کا نام جنون ودیوانگی ہے تو محبت تمام مجانین کی سردار ہے، محبت بادشاہوں کی بادشاہ ہے جس کے سامنے سلاطین وشہنشاہ کے گروہ اور ان کے تاج سرنگوں ہیں اور بادشاہ غلاموں کی مانند محبت کے خادم بنے ہوئے ہیں۔ محبت آگ کے مثل چھپی ہوئی شئی ہے لیکن حیرانی عیاں ہے محبت سراپا عجز وانکسار ہے مگر جانوں پر حکومت کرنے والے بادشاہوں کے دل خود اس کے سامنے سلامی پیش کر رہے ہیں۔

حضرات صوفیہ کرام اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے محتاج ہیں اور اللہ ورسول اور اولیاء اللہ

سے محبت کرتے ہیں اور جب وہ اس فقیر اور غیریت والی محبت کو یاد کرتے ہیں تو طرب و وجد کے عالم میں رقص کرتے ہیں، اسی فقر و محبت کے متعلق جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

اللہ مادہ و جسم پرست لوگوں کی ملک و اموال میں برکت دے ان سے دنیوی متاع سے کوئی چیز نہ چھینے لیکن ہم محبت کی دولت و ثروت کے اسیر ہیں جو کبھی ضائع نہیں ہوگی تمام مریض اپنے مرض سے صحت یابی کی آرزو کرتے ہیں مگر محبت کے مریض مرضِ محبت میں اضافہ و زیادتی مانگتے ہیں اور اپنے درد والم میں ترقی چاہتے ہیں کسی بھی شربت کو مَیں نے محبت سے زیادہ میٹھا نہیں پایا اور کسی صحت کو مَیں نے محبت کی بیماری سے افضل نہیں دیکھا۔

اسی طرح صوفی شاعر مولانا روم حضرات صوفیہ کرام کی محبت الٰہی کو لوگوں کی اصطلاحات سے مزین کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

محبت ایک بیماری ہے مگر ایسی بیماری ہے کہ اس کے بعد ہر بیماری سے خلاصی و چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے، جسے محبت کی بیماری لگ جاتی ہے اسے پھر کوئی مرض نہیں ہوتا، اس لیے کہ محبت روح کی صحت ہے بلکہ صحت کی روح ہے، اہل جنت یہ آرزو کریں گے کہ اس روحِ صحت کو اپنی جنت کے بدلے میں خرید لیں۔

ہاں اے برادر من! جب تو رزق و مخلوق کے غم سے شفایاب ہونے کا قصد کرے تو اپنے حبیب کی پناہ میں چلا جا، اس سے مناجات کر اور مدد کا طالب ہو، یقیناً تو اپنی بیماریوں سے شفایاب ہو جائے گا در حقیقت جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے محبوبوں کی محبت عطا فرما دی تو اسے روح صحت بخش دی اور ہر مرض سے عافیت عطا کر دی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْاَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّکَ

ترجمہ: اے اللہ ہم تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتے ہیں اور ان حضرات کی محبت مانگتے ہیں جو تجھ سے محبت کرتے ہیں۔

سلطان العاشقین سیدی ابن الفارض اس کے متعلق فرماتے ہیں:

زدنی بفرط الحب فیک تحیرا　　　وارحم حشا بلظی ھواک تسعرا

ترجمہ: اپنی فرطِ محبت میں مجھے مزید حیرانی دیجیے اور ایک ایسے دل پر رحم فرمایے جو آپ کے عشق میں جل کر راکھ ہو گیا۔

ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو نورِ بصیرت سے محرومی کی بنا پر حضرات صوفیہ کرام پر نکتہ چینی کرتے ہیں، ان پر تہمتیں لگاتے ہیں اور دین میں ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں، تو ایسے منکرین پر مولانا جلال الدین رومی محبت کی حمایت اور ان محبوبانِ پروردگار کے دفاع میں رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو محبت کے ایسے مقام و مرتبے پر فائز ہو چکے ہیں کہ بغیر طاعات و مجاہدات شاقہ اور دل کو ماسوی اللہ سے خالی کیے بغیر ان مقامات پر پہنچنا ناممکن ہے، فرماتے ہیں:

مَیں محبت سے افضل و اعلیٰ کسی طاعت و فرماں برداری کو نہیں سمجھتا وہ سال جو محبت کے بغیر گزر جائیں محبت کی ایک گھڑی کے مساوی نہیں ہو سکتے۔

پھر مولانا روم ان علم وفقہ کے مدعیوں کی خبر لیتے ہیں جو صرف حروف کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور نصوص و کلام کے معانی کی اس روح تک پہنچنے سے قاصر ہیں جو ان نصوص و کلام کو زندگی بخشتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

شہیدوں کے خون پاکیزہ پانی سے افضل ہیں۔

پھر مولانا روم جماعت محبین کا دفاع کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

محبت کرنے والوں کی وہ جماعت ہے جس نے اپنی روح و مغز کو خرچ کر دیا، اپنے دلوں کو عشق کی بھٹی میں جلا کر فنا کر دیا اب ان پر قوانین عامہ نافذ نہیں ہوتے ہیں اور وہ کسی بھی عام نظام کی تابعداری نہیں کرتے ہیں کیوں کہ وہ محبوب کی ذات میں فنا ہو چکے ہیں جسم کی خواہشات و لذات سے چھٹکارا پا چکے ہیں، اب وہ اسی چیز سے محبت کرتے ہیں جس سے ان کا محبوب رب کائنات محبت فرماتا ہے۔

مولانا روم صوفیہ کے گروہ کو اس اجڑے ہوئے گاؤں سے تشبیہ دیتے ہیں جس سے خراج و جزیہ وصول نہیں کیا جاتا کیوں کہ وہ ویران واجڑا ہوا گاؤں ہے اس لیے آپ فرماتے ہیں تباہ شدہ آبادی

پرخراج وجزیہ مقرر نہیں کیا جاتا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی اس جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی پناہ اورآپ کے نائب علمائے عاملین کے جھنڈے کے نیچے آئے ہوئے بغیر،صرف عقل وخرد کے ذریعے معرفت الٰہی تک پہنچنا چاہتے ہیں،مولانا روم علمائے خیر کے گروہ کو سفینۂ نوح سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

محبت ہمارے جداعلیٰ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی میراث ہے اور چالاکی وروباہی شیطان کا ہتھیار ہے۔ چالاک وروباہ مزاج حکیم اپنی عقل و دانائی پر اعتماد کرتا ہے جب کہ محبت خودسپردگی اور سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے۔ عقل تیراک ہے اس کا سوار کبھی اس کے ذریعے ساحل سے ہمکنار ہو جاتا ہے (اور کبھی دریا کے بیچ میں ڈوب جاتا ہے) جب کہ محبت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے اور سفینۂ نوح کے سواروں کو غرق ہونے کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

جو شخص باری تعالیٰ کی معرفت،اللہ ورسول نیز اہل ایمان کی محبت کا متلاشی ہے اسے حاصل کرنے کا قصدوارادہ رکھتا ہے ایسے شخص کو مولانا روم نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے اپنے پیرو مرشد کی اتباع اوران کی صحبت جلیلہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ زندگی کے اس مضطرب سمندر میں غرقاب ہوجائے گا جس میں تاریک رات کی مانند فتنے موجیں مارتے ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

مَیں نے بہت سے لوگوں کو جو اچھی تیراکی جانتے تھے اس زندگی کے اتھاہ سمندر میں غرق ہوتے دیکھا ہے جب کہ محبت وایمان کی کشتی کو کبھی مَیں نے ڈوبتے نہیں دیکھا۔

شیخ رومی محبت کرنے والی جماعت کو علم وحکمت کے غوطہ خوروں پر فضیلت و برتری دیتے ہیں کیوں کہ علم وحکمت قیاس وظن ہے جب کہ محبت مشاہدۂ عرفان ہے۔

جب تو محبوب نہ ہو سکے تو محبّ ہو جا:

شیخ جلال الدین رومی علیہ الرحمہ والرضوان انسان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں کہ:

ہر انسان کے لیے محبوب بننا ممکن نہیں کیوں کہ محبوب بننے کے لیے کچھ صفتوں اور فضیلتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ صفات وفضائل ہر انسان کو عطا نہیں ہوتے لیکن ہر انسان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ محبت سے اپنا حصہ لے لے اور اس سے ناز ونعم حاصل کر لے، لہٰذا جب تجھ سے محبوب بننے کا حصہ فوت ہو جائے تو تو محبّ ہو جا اگر تو یوسف نہیں بن سکتا تو تجھے یعقوب بننے سے کس نے روکا ہے؟۔

محبت کا مستحق وحق دار کون ہے؟

اس محبت کا کون مستحق ہے جو زندگی کا نور اور عبادت وریاضت کا مغز ہے؟ یہی محبت انسان کو فرشتوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے بلکہ اس سے بھی آگے پہنچا دیتی ہے۔ کیا اس محبت کا مستحق کوئی فانی اور ہلاک ہونے والی شے ہو سکتی ہے؟ جس کا انجام موت ہو یا اس محبت کی حقدار وہ زندۂ جاوید رہنے والی ذات ہے جسے کبھی موت نہیں آنا ہے، اسی کے متعلق شیخ رومی فرماتے ہیں:

زندۂ جاوید رہنے والی محبت اسی ذات کے لیے سزاوار ہے جو زندۂ جاوید رہے اور جس شے کے لیے فنا وغروب لکھ دیا گیا ہے اسے یہ محبت دائمی حسن آرا نہیں کر سکتی۔ یہ محبت اس زندۂ جاوید کا حق ہے جو کبھی موت سے ہمکنار نہ ہو اور یہ وہی ذات ہے جس کا ہر موجود پر فیضان ہے۔

شیخ رومی ہمیں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے کے ذریعے نصیحت فرما رہے ہیں جس وقت انہوں نے اپنی قوم پر حجت قائم کی کہ ان کے بت عبادت کے مستحق نہیں ہیں کیوں کہ ان کی سرشت میں فنا و ہلاک ہونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے قول کی حکایت بیان کی کہ لا اُحِبُّ الاٰفِلِیْنَ (مَیں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

شیخ رومی آگے فرماتے ہیں:

یقیناً محبت صاحب محبت کی رگ وپے میں خون بن کر دوڑتی ہے، اگر محبت اپنے محل میں ہو اور اپنے اہل کو پا لے تو درحقیقت محبت وہ آفتاب ہے جو کبھی ڈوب

نہیں سکتا اور ایسی تر و تازگی و شادابی ہے جس کو پژمردگی تباہ نہیں کر سکتی، لہٰذا اس ابدی و سرمدی محبت کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے بقیہ ہر چیز جو تیرے ارد گرد جاموں میں گھوم رہی ہے اور تیری تشنہ کامی کو سیراب کر رہی ہے عنقریب فنا کا جام پی کر ختم ہو جائے گی۔ تو اسی محبت کو لازم پکڑ لے جس کے ذریعے انبیائے کرام نے سیادت فرمائی۔

محبت کرنے والی جماعت (یعنی حضرات صوفیہ کرام) نہ مایوس ہوتے ہیں اور نہ ہی محبت کی بلندی اور اس کے سارے جہاں سے مستغنی ہونے کے سبب گلہ وشکوہ اور عذر بیان کرتے ہیں، اس لیے کہ اللہ رب العزت اس کی رحمت سے مایوس ہونے والوں اور اس کی لقا سے ناامید ہونے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد عالی ہے **وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ** (الحجر: ۵۶) (اپنے رب کی رحمت سے صرف راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہی ناامید ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ تو اس شخص کے لیے رشد و ہدایت کی راہ کھول دیتا ہے جو صدق دل سے رب بے نیاز کا قصد کرتا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

(اے بندے) اگر تو میری جانب پا پیادہ چلتا ہوا آئے گا تو میں تیرے پاس دوڑتا ہوا آؤں گا۔

مولانا روم سیر الی اللہ کو اپنے اس قول کے ذریعے بیان کرتے ہیں:

محبوب حقیقی وہ ذات اقدس ہے جو اس بات کو پسند کرے کہ اس سے محبت کی جائے اور وہ اپنی جانب اس شخص کو کھینچ لیتا ہے جو اس کی طرف جذب کا قصد کرتا ہے۔

شیخ رومی اللہ کے اس قول سے استشہاد کرتے ہیں **اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ** (الشوریٰ: ۱۳) (اللہ اپنے لیے منتخب کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اپنی جانب اسی کو راہ دکھاتا ہے جو رجوع کا ارادہ کرتا ہے)۔

پھر مولانا روم بڑے جرأت مندانہ لہجے میں فرماتے ہیں:

تم یہ مت کہو کہ مَیں ایک ذلیل و کمتر بندہ ہوں، جلیل القدر بادشاہ بے نیاز کی

بارگاہ تک رسائی کی قدرت نہیں رکھتا کیوں کہ وہ کریم بادشاہ خود اپنے بندے کو دعوت دیتا ہے اور راہ کو آسان فرما دیتا ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

جو محبت کا ارادہ کرے گا اور راہ محبوبیت پر چلے گا تو جلد ہی وہ ہمیشگی و مداومت اور مشقتوں کو برداشت کر کے منزلِ مقصود کو حاصل کر لے گا بظاہر محبت بیماری اور تکلیف دہ چیز نظر آتی ہے مگر بباطن وہ ہر بیماری کی دوا ہے، دیکھنے والے کے لیے وہ ایسا مرض ہے جس کا علاج دشوار ہے اور صاحب محبت سختیوں اور مشقتوں میں ہے لیکن جب محبّ ان دشواریوں کو برداشت کرتا ہے اور اس پر ثابت قدم رہتا ہے تو وہ ابدی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔

محبت کی جائے قیام منکسر و زخمی دل ہے یہ ایسا مرض ہے جس کے مشابہ کوئی مرض نہیں۔ محبت کی بیماری ہر بیماری سے جداگانہ ہوتی ہے اس لیے کہ یہ محبت رب تبارک وتعالیٰ کے اسرار و رموز کے حصول میں معین و مددگار ہوتی ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

محبت اگر چہ فی نفسہ ایک بیماری ہے لیکن یہ امراض نفسانیہ اور خلقی بیماریوں کے لیے شفا ہے، وہ امراض جن سے اطبا عاجز آ گئے اور جن سے صحت یابی دشوار ہوگئی اور چارہ گروں نے اس مرض کے ٹھیک ہونے کی امید ختم کر لی، ایسے امراض محبت کے ذرا سے شہد سے دور ہو جاتے ہیں اور وہ بیمار جو اپنی بیماری سے مایوس ہو چکا تھا جب صحت یاب ہو جاتا ہے تو سرور وطرب میں پکارتا ہے:

''اے محبت بے نیاز، اے میرے مرض و بیماری کے طبیب، اے میرے نفس و جگر کی دوا، اے میرے غم کا مداوا، اللہ تجھے آباد و زندہ رکھے''۔

محبت اور توحید:

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرات صوفیہ کرام کی سیر کا مقصد حقیقی خدا کی محبت میں ڈوب کر توحید خالص حاصل کرنا ہے حتی کہ ان کے دلوں میں سوائے رب کائنات کے کسی شے کی محبت

نہیں رہتی، ان کے قلوب صرف معبود حقیقی کے لیے دھڑ کتے ہیں، لہٰذا ذکر (یعنی ذکرِ الٰہی) دل کو اغیار سے پاک کر دیتا ہے اور یہ حضرات دل میں سوائے اللہ کے کسی محبوب کے وجود کو ایسی بیماری تصور کرتے ہیں جس کا علاج ناگزیر ہو اور غیر کی محبت کو حجاب سمجھتے ہیں جو معرفت حق سے باز رکھتی ہے۔ لہٰذا سخت دل وہ ہے جس پر دنیا کی محبت، مال وثروت، عورتوں اور جاہ وحشم کی تمناؤں کے پردے پڑے ہوں، ذکر الٰہی قلب کی جلا ہے جو دل سے غم وحزن کو ختم کر دیتا ہے اسی معنی میں سید شیخ محمد الہاشمی رحمہ اللہ نے فرمایا:

واذا قسی القلب من الاغیار　　فاذکر حتی لا یبقی الا الباری

جب دل اغیار کی وجہ سے سخت ہو جائے تو ذکر (اللہ) کرتا کہ باری تعالیٰ کے سوا (دل میں) کوئی شے باقی نہ رہے۔

کسی صوفی شاعر نے فرمایا:

وان خلا قلب من الانوار　　فالذکر یجلو ظلمة الاغیار

اگر دل انوارِ الٰہی سے خالی ہو تو ذکر اغیار کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو دور کر دیتا ہے۔

اسی معنی کے سلسلے میں مولانا روم فرماتے ہیں:

محبت ایک شعلہ ہے جب وہ بھڑکتا ہے تو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے تو کبر وتکبر، بزدلی، بخل، خوف وہراس، حزن وملال، حسد وبغض میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے، یقیناً محبت ایک شعلہ ہے جو محبوب کے علاوہ ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے اور اسی کو محبت میں توحید کہتے ہیں پھر محبّ محبوب کے سوا کسی کی جانب متوجہ نہیں ہوتا ہے فرمان خداوندی ہے: **ألا لِلّٰــه الدين الخالص** (الزمر:۳) (آگاہ ہو جایئے دین خالص اللہ کے لیے ہے) لہٰذا توحید ایک تلوار ہے کہ جب صاحب توحید اسے (میان سے) باہر نکالتا ہے تو سوائے ذات پروردگار کے ہر چیز کو کاٹ دیتا ہے۔

پھر اخیر میں عارف کامل شیخ جلال الدین رومی محبت الٰہی کے معانی کے ادارک میں کمی و عجز کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بلا شبہ حکایت محبت کی کوئی انتہا نہیں دنیا فنا ہو جائے گی مگر محبت کے عجائبات ختم نہیں ہوں گے، اس لیے کہ دنیا کی انتہا اور حد ہے مگر محبت اس ذات اقدس کا وصف ہے جو کبھی فنا نہیں ہوگی اور اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی۔

راہ محبت:

محبت کی راہ عقل ہے یا دل؟ حضرات صوفیہ کرام راہ محبت اس بیدار دل کو مانتے ہیں جو حرارت اور نشاط وفرحت سے لبریز ہو، یہ بیدار دل اتنا وسیع ہوتا ہے جس کی حدود کو نہیں پایا جا سکتا ، یہ دل جنت کے مثل ہے جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے **اُکُلُھَا دَائِمٌ وَظِلُّھَا** (الرعد: ۳۵) (جنتی پھل دائمی ہیں اور ان کا سایہ ہمیشہ ہے) جنتی نعمت کبھی ختم نہیں ہوگی اور جنتی نہروں کا پانی کبھی ختم نہیں ہوگا۔ **تُؤْتِی اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا** (ابراہیم: ۲۵) (جنتی باغات اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتے ہیں) دنیوی باغات تباہی و بربادی کا شکار ہو جاتے ہیں جسم کا باغیچہ گھاس پھوس بن جاتا ہے، اس کو ہوائیں اڑا دیتی ہیں اور باغ والا اپنی محنت و لاگت پر کف افسوس ملتا ہے **وھی خاویة علی عروشھا** اور وہ کہتا ہے **یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِکْ بِرَبِّیْ اَحَدًا** (الکہف: ۴۲) (کاش مَیں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا) بہر کیف دل کا باغیچہ ہمیشہ سر سبز وشاداب اور پھل دار رہتا ہے اور صاحبِ دل کہتا ہے **یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ.** (یٰسین ۲۶، ۲۷) (کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے میری بخشش فرما دی اور مجھے مکرم بنا دیا)

مولانا جلال الدین رومی رقم طراز ہیں:

> تو دل کی حفاظت کرحتی کہ تو ایسا قوی نوجوان ہو جائے جس کے چہرے میں نور کی شعائیں رقص کریں، تو چہرہ چمکنے لگے تو دل کی نگہبانی کرتا رہ تا کہ تروتازہ مسکراتے ہوئے پھول کی مانند تیری حیات کا سرمایہ باقی رہے۔

لیکن ان صفاتِ جلیلہ کا حامل دل کہاں ہے؟

اے بھائی! لفظ قلب تجھے دجل وفریب میں مبتلا نہ کر دے کیوں کہ دل خواہشات، حرص وطمع کی آماجگاہ ہے، سخت دل محبت کے معنی سے آشنا نہیں ہوسکتا، بلکہ اذعان وتیقن کے معنی سے نابلد

رہے گا، سخت و درشت دل یہودی کی قبر کی مانند تنگ و تاریک ہے، جس کے واسطے ملک وہاب کی جانب سے خیر کا کوئی حصہ نہیں ہے، ایسے دل میں نہ انشراح پیدا ہوسکتا ہے نہ وہ کسی کو روشنی دے سکتا ہے اور نہ ہی خود اس میں جلا پیدا ہوسکتی ہے۔

وہ دل جو حقیقی عشق و محبت سے عاری ہے اور دنیوی مال و دولت، فانی جاہ و منصب کی محبت سے لبریز ہے ایسا دل یہودی کی قبر کی مانند ہے جو باہر سے خوبصورت و مزین ہے اور اندر سے ظلمت کدہ ہے، جس میں چند بوسیدہ ہڈیاں اور غلاظت و بدبو پڑی ہوئی ہے، مردہ دل اور زندہ دل دونوں میں فقط لفظی اشتراک اور جسمی تشابہ پایا جاتا ہے، جیسا کہ ایک پانی ہے جو صاف و شفاف چشموں سے جاری ہوتا ہے اور چھوٹی بڑی نہروں سے گزرتا ہوا بہتا ہے اور دوسرا وہ پانی ہے جو کیچڑ گندگی و غلاظت سے بھرا ہوا ہے دونوں کو پانی کہا جاتا ہے لیکن دونوں پانی جوہری اعتبار سے مختلف ہیں، اگرچہ نام و مظہر میں ایک نظر آتے ہیں، اس لیے کہ اول الذکر صاف پانی سے تشنہ کام اپنی تشنگی کو بجھاتا ہے، وہ پانی کپڑے پاک و صاف کرتا ہے اِس کے ذریعے طہارت حاصل کی جاتی ہے اس کا استعمال کھانا پکانے میں کیا جاتا ہے اور ثانی الذکر گندہ پانی جسم و کپڑے وغیرہ کو ناپاک کر دیتا ہے اور امراض اور وباؤں کے پھیلانے کا سبب بنتا ہے۔

شیخ جلال الدین رومی اس کے متعلق فرماتے ہیں:

> (اے مخاطب) تو کہتا ہے میرا دل! کیا تو اس بات سے واقف ہے کہ دل آسمانی امانت ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دل (خون کی شکل میں) پانی سے پُر ہے لیکن کیا تو ایسے پانی میں اپنے ہاتھ دھونا پسند کرے گا جو کیچڑ اور گندگی سے آلودہ ہو، لہٰذا وہ چیز جو تمہارے سینے میں دھڑک رہی اسے دل مت کہو کیوں کہ حقیقی دل تو وہ ہے جو بلند و بالا آسمانوں کے نظام ملکوت کی طرف میلان رکھتا ہے اور اس شان کا دل تو انبیا و مرسلین اور اولیائے کاملین کا ہوا کرتا ہے۔

حضرات صوفیہ کی نظر میں انسان کی قدر و منزلت

موجودہ معاشرے میں انسان کی قدر و منزلت پیہم انحطاط و پسماندگی کا شکار ہو رہی ہے، اس کی اس حالت پر کف افسوس ملنا پڑ رہا ہے، جب انسان کو اپنی تباہی و بربادی کا شعور ہوتا ہے تو اس کے اعصاب اضطراب و بے چینی کی کیفیت سے دوچار ہو کر ٹوٹ جاتے ہیں، یہاں تک کہ انسان جانوروں کی آزادی اور جمادات کی پرسکون و سلامتی والی زندگی پر رشک کرنے لگتا ہے، اس لیے کہ معاشرہ انسانیت کا قدر شناس نہیں رہا اور نہ ہی معاشرے کو انسان کی قدر و منزلت کا اعتراف ہے، یہ معاشرہ انحطاط و پسماندگی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اس فطرت سلیمہ سے منحرف ہو چکا ہے جس پر اللہ رب العزت نے اس کی تخلیق فرمائی تھی اور اس نے نفس انسانی میں وہ مفسد مادہ پیدا کر دیا جس کے سبب انسان سماوی مبادی کے انکار پر تلا ہوا ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریق پر چلنے سے منہ موڑ رہا ہے۔

اے برادرِ مومن! تم ہر زمانے میں صوفیہ کرام کی راہ کے سالکین کو پاؤ گے کہ وہ اس کج روی اور بے راہ روی کو درست کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور درست و صحیح اسلام پیش کرتے ہیں جو ہر قسم کی خرافات اور اس ٹیڑھ اور کجی سے خالی ہوتا ہے جو گمراہ قوموں اور گروہ نے اس میں پیدا کر دی ہیں، یہ راہ طریقت کے مجاہدین انسان کو اس کی کرامت و بزرگی کا ازسرنو تاج پہناتے ہیں اور معاشرے کے افکار و نظریات کو درست کرتے ہیں انہیں سالکین میں مولانا جلال الدین رومی کی ذات بھی نمایاں نظر آتی ہے جو اہل تصوف کی زبان بولتے ہیں، انسان کی کرامت و فضیلت کا ترانہ گاتے ہیں اور ساری مخلوق کو اس کی شرافت و بزرگی کی یاد دلاتے ہیں اور باری تعالیٰ کا فرمان لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْم (التین:۴) (بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا) وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِی آدَم . (اور ہم نے آدم کی اولاد کو بزرگی دی) انسانیت کو بار بار سناتے ہیں۔

شیخ رومی اس انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو اپنی قدر و منزلت کو ہلکا گردانتا ہے اور اپنے مرتبہ و مقام سے ناواقف ہے:

اے غافل انسان! اللہ تعالیٰ نے تجھے تاج کرامت پہنایا اور اپنے فرمان **وَلَقَدْ کَرَّمْنا بَنِیْ آدَم** (الاسراء:۷۰) سے خصوصیت عطا کی اور تجھے ایک خاص انعام بخشا یعنی اس نے فرمایا **اعطیناک** (ہم نے تجھے عطا کیا) لفظ **اعطیناک** کا کلمہ اللہ نے تجھ سے پہلے کسی کے لیے ارشاد نہیں فرمایا۔

مولانا روم آگے فرماتے ہیں:

یقیناً اس کائنات کا خلاصہ اور عالم کے جمیع اوصاف کا مغز انسان ہے، اس چھوٹے سے جسم میں وہ تمام بھلائیاں، خزانے اور عجائب ونوادر موجود ہیں جو عالم میں پائے جاتے ہیں، یہ ایک ایسا چھوٹا ذرہ ہے جس میں آفتاب کی شعائیں منعکس ہوا کرتی ہیں اور جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو کوئی ستارہ ظاہر نہیں ہوتا۔ انسان ایک ایسا چھوٹا سا قطرہ ہے جس میں علم وحکمت کا سمندر موجزن ہے تین گز کے جسم میں جملہ عالم سمٹا ہوا ہے۔

اتحسب انک جرم صغیر وفیک انطوی العالم الاکبر

ترجمہ: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے حالانکہ تیرے اندر عالم اکبر سمایا ہوا ہے۔

انسان اس مخلوق کی غایت ہے، اسی انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے عالم کا کارخانہ ایجاد کیا انسان وہ قطب ہے جس کے اردگرد کائنات کی چکی گھوم رہی ہے۔

شیخ رومی آگے فرماتے ہیں:

انسان جوہر ہے اور فلک عرض ہے (اے انسان) تیرے سوا ہر چیز فرعی اور ظلی ہے تو مقصود ومراد ہے، تیری خدمت کرنا تمام مخلوق پر لازم قرار دیا گیا، یہ عار و شرمندگی کی بات ہے کہ ایک جوہر کسی عرض کے سامنے جھکے اور اس کے آگے سجدہ ریز ہو، ارشاد باری ہے کہ ’’اللہ نے آسمان وزمین کی جملہ اشیا تیرے لیے مسخر وتابعدار بنا دی ہیں‘‘ (الجاثیہ:۱۳)۔

شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

چاند وسورج، ستارے، بارش، ہوائیں، ہموار زمین اور پہاڑ تمام اپنے پیدا کرنے والے کے اطاعت گزار وفرماں بردار ہیں اور (اے انسان!) تیری خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں لیکن یہ انصاف ودیانت کی بات نہیں ہے کہ تو اپنے خالق کا فرماں بردار نہ ہو۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

بے شک انسان صفات الٰہیہ کا مظہر ہے، وہ ایک ایسا سچا آئینہ ہے جس میں رب بے نیاز کی نشانیاں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

مولانا روم انسان کا عظیم الشان جلیل القدر مرتبہ ومقام بیان کرنے کے بعد سوال کرتے ہیں:

کیا کوئی جرأت کرسکتا ہے کہ اس مہنگے انسان کی قیمت لگائے اور اسے اپنے نفس کے بیچنے کی آرزو دلائے؟ کیا یہ بات جائز ہے کہ جس کی اتنی اعلیٰ قیمت ہو وہ اپنی ذات کو فروخت کردے۔

پھر مولانا روم انسان سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں خرید لیا ہے اور تا قیام قیامت ہمیں بھاؤ اور قیمت لگانے سے خلاصی عطا کردی اور کوئی چیز دو مرتبہ فروخت نہیں کی جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَاَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ** (التوبہ:١١١) (اللہ نے مومنین سے ان کی جان ومال جنت کے بدلے میں خرید لیے)۔

پھر مولانا روم انسان کو غور وفکر کرنے پر ابھارتے ہیں تا کہ وہ اپنی قیمت پہچانے اور سب سے اکرم و اعظم مشتری کے سوا کسی کے ہاتھ پر بکنے پر راضی نہ ہو اور وہ عظیم مشتری باری جل شانہ کی ذات مبارک ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

اگر تو تلاش وجستجو کرنے والا ہے تو اپنے اس مشتری کی تلاش میں نکل جا، جسے تیری طلب ہے اور جو تجھے تلاش کر رہا ہے اسی مشتری سے تیری ابتدا ہے اور اسی کی جانب تیری انتہا ہے۔

☆☆☆

خاتمہ

اے برادر مومن! ہم محبت پروردگار عالم کو ایک عظیم مقصد و غایت سمجھتے ہیں جس کے حصول کے لیے صاحب ایمان کو کوشاں رہنا چاہیے تاکہ اس کا ایمان باللہ پائے تکمیل کو پہنچے اور وہ باری تعالیٰ کی رضا و معرفت اور قرب پاکر دائمی کامیابی سے ہم کنار ہو، چنانچہ ہمیں حضرات صوفیہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی ذوات قدسیہ نظر آتی ہیں، جن کو اللہ نے یہ عظیم المرتبت مقام عطا فرمایا اور جب ان کے دل میں صدق وصفا اور خالص رب بے نیاز کی محبت پیدا ہوئی تو ان کی روحیں محبت الٰہی کے جام سے مدہوش ہوگئیں اور ان کے دلوں میں خالق کائنات سے ملاقات کا جذبہ ابھرا تو حق تبارک وتعالیٰ نے انہیں قرب و وصال کی بشارت سے نوازا۔ اسی ذوق و جذبے نے حضرات صوفیہ کرام کو محبوب الٰہی کے سائے میں اطمینان و رضا کی منزل پر پہنچا دیا اور انہوں نے روحانی لذتوں کا مزہ چکھ لیا کہ دنیوی لذتیں ان کے سامنے ہیچ ہیں، وہ رب کائنات کی معیت میں خوش ہوتے ہیں، اس کے قرب سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اس کے ذکر سے اُنس حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جود و سخا کو محسوس کرتے ہیں، پھر اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اپنے رب سے راضی ہوگئے، خلاق دو عالم ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کیا کرتے ہیں جب اللہ نے ان کو اپنا محبوب بنالیا اور ان سے راضی ہوگیا تو ان بندوں کو اپنے لیے منتخب کرلیا یہی اولیائے کرام اللہ کی کل مخلوق کا خلاصہ ہیں اور اس کے محبین میں بھی خاص ہیں۔ ان حضرات صوفیہ کے سلسلے میں درج ذیل اشعار کہے گئے ہیں:

للّٰہ قوم اخلصوا فی حبہ   فاختارھم و رضی بھم خدّاما

ترجمہ: اللہ کے کچھ وہ بندے ہیں جنہوں نے اس سے بے لوث محبت کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خادم کی حیثیت سے انہیں منتخب کرلیا اور ان سے راضی ہوگیا۔

قوم اذا جن الظلام علیھم   ابصرت قوما سجدا و قیاما

ترجمہ: یہ اللہ والوں کا وہ گروہ ہے کہ جب رات کی تاریکی ان پر چھا جاتی ہے تو انہیں سجدہ ریز اور عبادت میں مشغول دیکھا جاتا ہے۔

یتلذون بذکرہ فی لیلھم　　　ویکابدون بہ النھار صیاما

ترجمہ: یہ اپنی راتوں میں ذکر الٰہی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور دن میں روزہ رکھ کر مشقت برداشت کرتے ہیں۔

فسیغنمون عرائسا بعرائس　　　ویتبوؤن من الجنان خیاما

ترجمہ: یہ حضرات دنیوی دلہنوں کے بدلے میں اخروی حوروں سے نوازے جائیں گے اور جنتی خیموں کو اپنا ٹھکانا بنائیں گے۔

وتقرا عینھم بما اخفی لھم　　　وسیسمعون من الجلیل سلاما

ترجمہ: اوران کی آنکھیں اس چیز سے ٹھنڈی ہوں گی جو ان کے واسطے مخفی رکھی گئی ہے اور یہ رب جلیل سے سلامتی کا پیغام سنیں گے۔

وصلی اللّٰہ علی خیر خلقہ و نور عرشہ محمدو آلہ واصحابہ اجمعین.

و اٰخردعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

مطبوعات تاج الفحول اکیڈمی بدایوں

۱	**احقاق حق**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۲	**عقیدۂ شفاعت** (اردو، ہندی، گجراتی)	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۳	**اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۴	**اکمال فی بحث شد الرحال**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۵	**فصل الخطاب**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۶	**حرز معظم**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۷	**مولود منظوم مع انتخاب نعت ومناقب**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۸	**شوارق صمدیه ترجمه بوارق محمدیه**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۹	**شمس الایمان**	مولانا محی الدین قادری بدایونی
۱۰	**تحقیق التراویح**	نور العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی
۱۱	**الکلام السدید**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۲	**رد روافض**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۳	**سنت مصافحه**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۴	**احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۵	**تبعید الشیاطین**	حافظ بخاری مولانا شاہ عبدالصمد سہسوانی
۱۶	**مردے سنتے ہیں؟**	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۱۷	**مضامین شهید**	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۱۸	**ملت اسلامیه کا ماضی حال مستقبل**	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۱۹	**عرس کی شرعی حیثیت**	مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
۲۰	**فلاح دارین** (اردو، ہندی)	مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
۲۱	**نگارشات محب احمد**	علامہ محبّ احمد قادری بدایونی
۲۲	**عظمت غوث اعظم**	علامہ محبّ احمد قادری بدایونی
۲۳	**شارحة الصدور**	مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی
۲۴	**الدرر السنية** ترجمہ از :	مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی
۲۵	**احکام قبور**	مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی

۲۶	**ریاض القرأت**	مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی
۲۷	**خطبات صدارت**	عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی
۲۸	**مثنوی غوثیه**	عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی
۲۹	**عقائد اهل سنت** (اردو، ہندی)	مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی
۳۰	**دعوت عمل** (اردو، انگلش، ہندی، مراٹھی، گجراتی)	مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی
۳۱	**فلسفه عبادات اسلامی**	مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی
۳۲	**مختصر سیرت خیرالبشر**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۳	**احوال ومقامات**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۴	**خمیازۂ حیات** (مجموعۂ کلام)	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۵	**باقیات هادی**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۶	**مدینے میں** (مجموعۂ کلام)	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
۳۷	**احادیث قدسیه** (اردو، انگلش، گجراتی)	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۳۸	**تذکرۂ ماجد**	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۳۹	**خامه تلاشی** (تنقیدی مضامین)	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۴۰	**تحقیق وتفهیم** (تحقیقی مضامین)	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۴۱	**عربی محاورات** مع ترجمہ وتعبیرات	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۴۲	**اسلام :ایک تعارف** (ہندی، انگلش، مراٹھی)	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۴۳	خیرآبادی سلسلہ علم وفضل کے احوال وآثار **خیرآبادیات**	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۴۴	**قرآن کریم کی سائنسی تفسیر**	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۴۵	**مفتی لطف بدایونی:** شخصیت اور شاعری	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۴۶	**حدیث افتراق امت** تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں	مولانا اسیدالحق قادری بدایونی
۴۷	**طوالع الانوار** (تذکرۂ فضل رسول)	مولانا انوارالحق عثمانی بدایونی
۴۸	**اسلام میں محبت الٰهی کا تصور**	مولانا دلشاد احمد قادری
۴۹	**تذکرۂ خانوادۂ قادریه**	مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی
۵۰	**آعتراف واعتبار**	محمد تنویر خان قادری بدایونی
۵۱	**خواجه غلام نظام الدین قادری**	محمد تنویر خان قادری بدایونی